
متاعِ جان کا آخری راز
عائشہ فاطمہ

متاعِ جان کا آخری راز

پیشِ لفظ

کچھ کہانیاں محض کاغذ پر بکھری سیاہی نہیں ہوتیں، بلکہ وہ ہمارے اپنے دل کی دھڑکنیں ہوتی ہیں جو کسی اور کی قلم سے ادا ہو رہی ہوتی ہیں۔ عشاق کی بستی)یا آپ کے ناول کا جو بھی عنوان ہے(کی تخلیق بھی ایک ایسے ہی جذباتی سفر کا نتیجہ ہے، جس میں محبت کی مٹھاس، جدائی کا کرب، اور قسمت کی تلخ حقیقتیں آپس میں بندھی ہوئی ہیں۔

اس کہانی کا بنیادی مقصد صرف ایک داستان سنانا نہیں، بلکہ ان ان کہے جذبات کو آواز دینا ہے جنہیں انسان اکثر لفظوں کا روپ نہیں دے پاتا۔ کرداروں کی زندگی کے نشیب و فراز میں آپ کو کہیں نہ کہیں اپنی ذات کا عکس، اپنی خوشیاں اور اپنے دکھ ضرور نظر آئیں گے۔ خاص طور پر 'عنایا' اور دیگر کرداروں کی کشمکش اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ جب انسان کے پاس صبر کے سوا کوئی چارہ نہ بچے، تو راستے کیسے بنتے ہیں۔

میں ان تمام قارئین کی بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اس تحریر کو پڑھنے کے لیے اپنا قیمتی وقت نکالا۔ آپ کی توجہ، پسندیدگی اور آراء ہی اس پورے سفر کا اصل حاصل ہیں۔

امید ہے کہ یہ کہانی آپ کے دل کے تاروں کو چھوئے گی اور آپ کے حافظے میں

ایک خوبصورت یاد بن کر محفوظ رہے گی۔

،دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ

عائشہ فاطمہ

فہرستِ ابواب

بابِ اوّل: وہ سایا، وہ ہاتھ اور خاموشی

برسات کی وہ رات عام راتوں جیسی نہیں تھی۔ اسلام آباد کی مارگلہ پہاڑیوں پر بادل اس طرح جھکے ہوئے تھے جیسے کسی پرانے غم کا ماتم کر رہے ہوں۔ تیز ہوا کے ساتھ بارش کا پانی کھڑکی کے شیشوں پر ضربیں لگا رہا تھا، اور کمرے کے اندر صرف ایک زرد رنگ کا ٹیبل لیمپ جل رہا تھا جس کی روشنی میں عنایہ کے چہرے کے تاثرات واضح ہو رہے تھے۔

عنایہ نے سامنے رکھی کافی کے مگ کو چھوا، جو اب بالکل ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک پرانی، چمڑے کی جلد والی ڈائری تھی—وہ ڈائری جو اسے تین دن پہلے اپنے گھر کے بیرونی دروازے پر ملی تھی، جس پر کوئی نام، کوئی پتا درج نہیں تھا، لیکن اس کے اندر لکھی گئی ہر تاریخ اور ہر واقعے کا تعلق خود عنایہ کی زندگی سے تھا۔

اگر یہ کوئی مذاق ہے... تو یہ بہت خوفناک ہے،" عنایہ نے خود کلامی کرتے ہوئے" ہونٹ کاٹے۔

:اس نے ڈائری کا اگلا صفحہ پلٹا۔ سیاہی سے لکھے گئے الفاظ جیسے اس کا دم گھوٹنے لگے

> ۷اگست... رات کے ٹھیک بارہ بجے۔ عنایہ، تم اس وقت اپنے کمرے میں اکیلی ہو۔ لیکن تم یہ نہیں جانتیں کہ جو دروازہ تم نے بند کیا ہے، اس کے باہر کوئی کھڑا ہے۔ اور وہ شخص جو تمہاری حفاظت کا دعویٰ کرتا ہے... وہی تمہاری زندگی کے خاتمے کا پہلا قدم ہے۔

عنایہ کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ اسے لگا اس کی پسلیاں ٹوٹ جائیں گی۔ اس نے دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا۔

۱۱:۵۹...

پر پہنچ گئیں۔ اور اگلے ہی سیکنڈ گھڑی کی سوئیاں ۱۲:۰۰

اسی لمحے، پورچ کے مرکزی دروازے پر ایک ہلکی سی، مگر صاف دستک ہوئی۔

...کھٹ... کھٹ... کھٹ

عنایہ کی سانسیں سینے میں اٹک گئیں۔ بارش کی مسلسل آواز کے درمیان وہ دستک اتنی خوفناک اور واضح تھی کہ اس کے جسم میں سرد لہر دوڑ گئی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے ڈائری بند کی اور اسے لیپ ٹاپ کے بیگ کے نیچے چھپا دیا۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی کوریڈور کی طرف بڑھی۔ لکڑی کے فرش پر اس کے ننگے پیروں کی کوئی آواز نہیں تھی، مگر اس کے اپنے دل کی دھڑکنے کا شور اس کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

کون ہے؟" اس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔"

باہر سے کوئی جواب نہیں آیا۔ صرف بارش کے شور کے ساتھ ہوا کی سائیں سائیں کی آواز آئی۔

اس نے ہمت کر کے دروازے کا چھوٹا سا ہینڈل گھمایا اور دروازہ آدھا انچ کھول کر باہر جھانکا۔

باہر کوئی نہیں تھا۔ صرف پورچ کی روشنی میں بارش کے قطرے چمک رہے تھے۔ لیکن جیسے ہی اس کی نظر نیچے پڑی، اس کی چیخ حلق میں ہی دب کر رہ گئی۔

دروازے کے بالکل پائیدان پر ایک اور لفافہ رکھا تھا، اور اس کے ساتھ سرخ گلاب کی چند خشک پتیاں بکھری ہوئی تھیں۔

عنایہ نے جھک کر لفافہ اٹھایا اور جلدی سے دروازہ بند کر کے کنڈی لگا دی۔ اس کا پورا جسم لرز رہا تھا۔ اس نے لفافہ کھولا تو اندر صرف ایک لائن لکھی ہوئی تھی:

> زہریان واپس آ رہا ہے... لیکن تمہیں بچانے کے لیے نہیں، بلکہ اس کھیل کو اس کے انجام تک پہنچانے کے لیے۔

زہریان؟" عنایہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔"

زہریان... وہ نام جو اس کے ماضی کی ایک ایسی تلخ اور حسین حقیقت تھا جسے وہ پچھلے دو سالوں سے بھلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ شخص جس سے اس نے کبھی بے

پناہ محبت کی تھی، مگر ایک بچھڑنے کے موڑ نے دونوں کی راہیں جدا کر دی تھیں۔ کیا وہ واقعی واپس آ رہا تھا؟ اور اس کا اس پراسرار ڈائری اور دھمکیوں سے کیا تعلق تھا؟

عنایہ نے پوری رات جاگ کر گزاری۔ صبح کے چار بجے جب اذان کی آواز گونجی تو اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ بارش تھم چکی تھی، مگر آسمان پر اب بھی سیاہ بادل منڈلا رہے تھے۔

اس نے سوچا کہ اسے پولیس کے پاس جانا چاہیے، لیکن وہ جانتی تھی کہ پولیس کے پاس دکھانے کے لیے صرف چند کاغذ کے ٹکڑے اور ایک ایسی ڈائری تھی جس پر کسی کا نام نہیں تھا۔ کوئی بھی اس کی بات پر یقین نہیں کرتا۔ اسے خود اس راز کی تہہ تک پہنچنا تھا—اس سے پہلے کہ ڈائری کا اگلا صفحہ سچ ثابت ہو جائے۔

اگلی صبح، وہ اپنے نیوز آفس پہنچی۔ اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے واضح تھے اور چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی۔

عنایہ! تم ٹھیک تو ہو؟" اس کی سب سے اچھی دوست اور کولیگ، حرا نے اس کے" قریب آ کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔

میں... میں ٹھیک ہوں حرا۔ بس رات نیند نہیں آئی،" عنایہ نے زبردستی مسکرانے" کی کوشش کی۔

تمہیں پتا ہے آج ہمارے پروجیکٹ کے لیے نیا انویسٹی گیٹو پارٹنر کون جوائن کر رہا" ہے؟" حرا نے رازدارانہ انداز میں کہا۔

"عنایہ نے بغیر کسی دلچسپی کے پوچھا، "کون؟

"!وہ جو دو سال پہلے بیرونِ ملک چلا گیا تھا... کرائم رپورٹر زہریان ملک"

عنایہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ چھوٹ کر میز پر گر پڑا۔ گرم چائے اس کے ہاتھوں اور کاغذات پر پھیل گئی، مگر اسے اس درد کا احساس بھی نہیں ہوا۔

کیا ہوا عنایہ؟" حرا پریشان ہو گئی۔"

اس سے پہلے کہ عنایہ کوئی جواب دیتی، کانفرنس روم کا شیشے کا دروازہ کھلا اور ایک لمبا، روبدار اور گہری سانولی آنکھوں والا شخص اندر داخل ہوا۔ اس نے سیاہ کوٹ پہن رکھا تھا اور اس کی نظریں سیدھی عنایہ پر جا کر ٹک گئیں۔

وہ زہریان ہی تھا۔

وہی زہریان جس کا چہرہ دو سال بعد بھی عنایہ کی یادوں میں اتنا ہی واضح تھا، مگر آج اس کی آنکھوں میں محبت کی جگہ ایک عجیب سی پراسرار سردی اور خاموشی تھی۔

زہریان آہستہ آہستہ چلتا ہوا عنایہ کی میز کے سامنے آ کر رکا۔ اس نے عنایہ کے کانپتے ہوئے ہاتھوں اور چہرے کی زردی کو دیکھا۔

سلام، عنایہ،" زہریان کی بھاری آواز کمرے میں گونجی۔ "بہت عرصہ ہو گیا... لیکن" "لگتا ہے تم اب بھی مصیبتوں کو خود دعوت دیتی ہو۔

عنایہ نے اپنی نظریں اٹھائیں اور زہریان کی آنکھوں میں دیکھا۔ اسے ڈائری میں لکھا ہوا جملہ یاد آیا: * وہ شخص جو تمہاری حفاظت کا دعویٰ کرتا ہے... وہی تمہاری زندگی کے *خاتمے کا پہلا قدم ہے۔

تم... تم یہاں کیوں آئے ہو زہریان؟" عنایہ کی آواز میں خوف اور غصے کی ملی جلی"
لہر تھی۔

زہریان کے چہرے پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھری۔ اس نے جھک کر عنایہ کے بالکل
:قریب ہو کر مدہم آواز میں کہا

"تمہیں بچانے... یا شاید، اس راز کا حصہ بننے جو تمہیں اندر سے ختم کر رہا ہے۔"

زہریان کے ان الفاظ نے عنایہ کے وجود میں ایک سرد لہر دوڑا دی۔ اس کی گہری، سیاہ آنکھوں میں ایک ایسا راز تھا جسے پڑھنا عنایہ کے لیے کبھی آسان نہیں رہا تھا، اور آج دو سال بعد بھی وہ شخص اس کے لیے ایک بند کتاب کی طرح پراسرار تھا۔

عنایہ نے اپنے جذباتی توازن کو بحال کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے چہرے پر سختی لائی اور میز پر بکھری ہوئی چائے کو ٹشو سے صاف کرنے لگی۔ اس کے کانپتے ہوئے ہاتھ زہریان کی نظروں سے چھپ نہ سکے۔

مجھے کسی کی مدد یا حفاظت کی ضرورت نہیں ہے، زہریان ملک،" عنایہ نے گھمبیر آواز"
میں کہا، بغیر اس کی آنکھوں میں دیکھے۔ "میں دو سال پہلے بھی اکیلی تھی اور آج بھی
"اپنا خیال خود رکھ سکتی ہوں۔

زہریان نے ایک ہلکی سی، سنسنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے اور ایک قدم اور قریب ہوا۔ اس کی سانسوں کی حرارت عنایہ کو اپنے چہرے پر محسوس ہو رہی تھی۔

"تم خود کو جتنا بھی مضبوط دکھانے کی کوشش کرو، عنایہ... تمہاری یہ لرزتی ہوئی پلکیں اور تمہارے چہرے کا یہ زرد رنگ بتا رہا ہے کہ تم خوفزدہ ہو۔" زہریان نے بالکل دھیمی آواز میں کہا، تاکہ صرف عنایہ ہی سن سکے۔ "اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ جس کھیل میں تم نے قدم رکھا ہے، وہاں اکیلے رہنے کا مطلب صرف اور صرف تماشائی بن کر اپنی تباہی دیکھنا ہے۔"

حرا جو ان دونوں کے درمیان پھیلی اس عجیب اور پرتناؤ خاموشی کو محسوس کر رہی تھی، تھوڑی جھجھک کے ساتھ آگے بڑھی۔ "زہریان... ائیرپورٹ سے سیدھا آفس آنے کی وجہ سے تم تھک گئے ہو گے۔ سر عثمان اپنے کیبن میں تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ پروجیکٹ کی فائلز تیار ہیں۔"

زہریان نے عنایہ پر سے اپنی گہری نظریں ہٹائیں اور حرا کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔ "شکریہ حرا۔ میں سر عثمان سے ملتا ہوں۔"

وہ مڑا اور اپنے لمبے، متوازن قدم اٹھاتا ہوا باس کے کیبن کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن جاتے جاتے اس کی چال میں ایک ایسا غرور اور اطمینان تھا جو عنایہ کے اندر ایک خوفناک بے چینی پیدا کر رہا تھا۔

آفس کا بقیہ وقت عنایہ کے لیے کسی عذاب سے کم نہیں تھا۔ ہر لمحہ اسے ایسا لگتا جیسے کوئی اس پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ کمپیوٹر کی سکرین پر لکھے گئے الفاظ اس کی آنکھوں کے سامنے دھندلا رہے تھے۔ اس کے دماغ میں مسلسل وہ گمنام ڈائری، پورچ میں ملنے والا لفافہ اور زہریان کی اچانک واپسی گھوم رہی تھی۔

کیا زہریان کا اس ڈائری سے واقعی کوئی تعلق تھا؟ یا وہ صرف ایک اتفاق تھا؟ لیکن اتفاق بھی اتنے عین وقت پر کیسے ہو سکتا تھا؟

شام کے چھ بجے جب آفس کے بیشتر ملازمین جا چکے تھے، عنایہ نے اپنا بیگ سمیٹا۔ اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ وہ اکیلی اپنے ویران گھر واپس جائے۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ وہ کہیں دور چلی جائے، جہاں یہ خوف، یہ پراسرار دھمکیاں اور ماضی کے یہ سائے اس کا پیچھا نہ کر سکیں۔

وہ جیسے ہی آفس کے لفٹ کی طرف بڑھی، کوریڈور کی لائٹس اچانک ایک جھٹکے کے ساتھ بند ہو گئیں۔

پورا فلور تاریکی میں ڈوب گیا۔ صرف کھڑکیوں سے آنے والی شہر کی مٹمیلی روشنی اندر چھن رہی تھی۔

حرا؟ کوئی ہے؟" عنایہ کی آواز خوف سے لرز گئی۔"

کوئی جواب نہیں آیا۔ صرف ایئر کنڈیشنر کی دھیمی سی سائیں سائیں کی آواز آ رہی تھی جو اب لائٹ جانے کے بعد بند ہو چکا تھا۔

...ٹپ... ٹپ... ٹپ

تاریک کوریڈور کے دوسرے کونے سے لکڑی کے فرش پر جوتوں کی آہٹ ابھری۔ کوئی بہت آہستگی سے، مگر جمے ہوئے قدموں کے ساتھ اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"کون ہے وہاں؟" عنایہ نے اپنے بیگ کو سینے سے لگا لیا۔ اس کا دل اتنی تیز دھڑک رہا تھا کہ اسے لگا اس کا سانس رک جائے گا۔

آہٹ قریب آتی گئی... اور پھر وہ ٹھہر گئی۔

عنایہ نے دیوار کے ساتھ لگتے ہوئے تاریکی میں دیکھنے کی کوشش کی۔ اسے اپنے سے چند گز کے فاصلے پر ایک قدآور ہیولا کھڑا نظر آیا۔ تاریکی کی وجہ سے اس کا چہرہ واضح نہیں تھا، مگر اس کے وجود سے نکلنے والی سرد مہری عنایہ کو شناسا لگی۔

"تمہیں اتنی دیر تک آفس میں نہیں رکنا چاہیے تھا، عنایہ،" ایک بھاری، سرگوشی نما آواز ابھری۔

وہ زہریان تھا۔

"زہریان! تم... تم نے لائٹس کیوں بند کیں؟ یہ کیا طریقہ ہے؟" عنایہ نے غصے اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہا۔

"میں نے لائٹس بند نہیں کیں،" زہریان نے سکون سے کہا اور ایک قدم آگے بڑھا۔ "بلڈنگ کا جنریٹر ڈاؤن ہوا ہے۔ لیکن اہم بات یہ نہیں ہے... اہم بات یہ ہے کہ جو شخص تمہارا پیچھا کر رہا ہے، وہ اس وقت آفس کے باہر پارکنگ میں موجود ہے۔"

عنایہ کے قدم جم گئے۔ "تم... تم کیا بکواس کر رہے ہو؟"

زہریان نے اپنے کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک چھوٹا سا لفافہ نکالا—بالکل ویسا ہی لفافہ جیسا عنایہ کو رات کو اپنے گھر کے باہر ملا تھا—اور اسے عنایہ کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ مجھے ابھی کچھ دیر پہلے میری گاڑی کے وائنڈ سکرین پر ملا،" زہریان کی آواز میں اس بار مذاق یا غرور کا کوئی عنصر نہیں تھا، صرف ایک سنجیدہ اور خوفناک حد تک ٹھنڈا پن تھا۔ "اس پر تمہارا نام لکھا ہے۔"

عنایہ نے کانپتے ہاتھوں سے وہ لفافہ لیا۔ کوریڈور میں اتنی روشنی تھی کہ وہ اس پر لکھے سرخ سیاہی سے الفاظ پڑھ سکتی:

> کھیل کا پہلا مرحلہ مکمل ہوا۔ عنایہ نے زہریان کو چن لیا ہے۔ اب قیمت چکانے کی باری ہے... اکٹھا مرنے کی تیاری کرو۔

عنایہ کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ اس کی ٹانگوں سے جیسے جاندار نکل گئی۔ وہ گرنے ہی والی تھی کہ زہریان نے سائے کی طرح آگے بڑھ کر اسے اپنی مضبوط بازوؤں کے گھیرے میں لے لیا۔

عنایہ نے پہلی بار زہریان کے لمس میں وہ پرانی گرمجوشی محسوس نہیں کی، بلکہ ایک ایسی حظایت اور خوف محسوس کیا جو اسے اندر تک توڑ رہا تھا۔

"زہریان... یہ کیا ہو رہا ہے؟" عنایہ کی آنکھوں سے ایک آنسو نکل کر زہریان کے کوٹ پر جذب ہو گیا۔ "مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ کوئی مجھے کیوں مارنا چاہتا ہے؟"

زہریان نے عنایہ کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں تھاما۔ اس کی سیاہ آنکھوں میں پہلی بار ایک گہرا کرب اور تڑپ چمکی۔

جب تک میں زندہ ہوں، عنایہ... تمہیں کوئی چھو بھی نہیں سکتا،" زہریان نے اس" کی پیشانی کے قریب جھک کر انتہائی شدید جذبے سے کہا۔ "چاہے اس کے لیے مجھے "خود اپنے ہاتھ خون سے رنگنے پڑیں۔

زہریان عنایہ کو لے کر آفس سے باہر نکلا۔ بارش ایک بار پھر ہلکی ہلکی بونداباندی کی صورت میں شروع ہو چکی تھی۔ سڑک پر رات کے بھیگے ہوئے مناظر پراسرار لگ رہے تھے۔

زہریان نے عنایہ کو اپنی بلیک ایس یو وی میں بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ پوری ڈرائیو کے دوران گاڑی میں مکمل خاموشی رہی۔ عنایہ کھڑکی سے باہر چمکتی ہوئی سٹریٹ لائٹس کو دیکھتی رہی، لیکن اس کا ذہن ماضی اور حال کے الجھے ہوئے تاگے سلجھانے میں مصروف تھا۔

،دو سال پہلے... جب زہریان اچانک بغیر کسی وجہ کے اس کی زندگی سے نکل گیا تھا عنایہ ٹوٹ گئی تھی۔ اس نے راتیں رو رو کر گزاری تھیں، سوالوں کے جواب تلاش کیے تھے، لیکن زہریان نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ اور آج... جب اس کی زندگی پر موت کا سایا منڈلا رہا تھا، وہ شخص واپس آ گیا تھا، بالکل ایک محافظ بن کر۔

تم دو سال پہلے کیوں گئے تھے؟" عنایہ نے اچانک خاموشی کو توڑا۔ اس کی آواز میں" ایک پرانا درد جاگ اٹھا تھا۔

زہریان کے ہاتھ سٹیرنگ ویل پر سخت ہو گئے۔ اس نے سامنے سڑک پر نظریں جمائے رکھیں، بغیر عنایہ کی طرف دیکھیں۔

"کچھ سوالوں کے جواب وقت سے پہلے مل جائیں تو انسان جینے کی تمنا چھوڑ دیتا ہے، عنایہ،" زہریان کی آواز بہت گہری اور بوجھل تھی۔

"اور اگر مجھے وہ جواب ابھی چاہیے ہوں؟" عنایہ نے تڑپ کر کہا۔ "اگر مجھے لگے کہ اس سب کے پیچھے تم ہو؟ تم مجھے بتاتے کیوں نہیں کہ وہ گمنام ڈائری کیا ہے؟ اس میں میری زندگی کے وہ راز کیسے لکھے ہیں جو صرف مجھے یا... یا تمہیں معلوم تھے؟"

زہریان نے گاڑی کو ایک شدید جھٹکے کے ساتھ سڑک کے کنارے روکا۔ گاڑی کے ٹائر سڑک پر چیخ اٹھے۔

اس نے رخ موڑ کر عنایہ کی طرف دیکھا۔ اس کا چہرہ درد اور ضبط کی شدید کشمکش کا عکاس تھا۔

"تم سچ میں جاننا چاہتی ہو کہ میں کیوں گیا تھا؟" زہریان نے اس کے قریب ہو کر پوچھا، اس کی آواز میں ایک زبردست جذباتی دباؤ تھا۔ "میں اس لیے گیا تھا عنایہ... کیونکہ مجھے پتا چلا تھا کہ میری موجودگی تمہاری زندگی کے لیے ایک زہر ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ میں دور چلا جاؤں گا تو تم محفوظ رہو گی۔ لیکن میں غلط تھا۔ وہ دشمن... وہ سایا تم سے نہیں، مجھ سے بدلہ لے رہا ہے! اور اس نے تمہیں میری سب سے بڑی کمزوری بنا کر نشانہ بنایا ہے!"

عنایہ زہریان کے اس اعتراف پر ششدر رہ گئی۔ اس کا دل ایک پل کے لیے دھڑکنا بھول گیا۔

تم... تم میری وجہ سے نہیں، اپنی وجہ سے خطرے میں ہو؟" عنایہ نے بکھرتے" ہوئے لہجے میں پوچھا۔

نہیں،" زہریان نے نفی میں سر ہلا، اس کی آنکھوں میں نمی چمکی۔ "ہم دونوں ایک" ہی آگ کے گھیراؤ میں ہیں۔ اور اس ڈائری کا اخری صفحہ... وہ صرف ہم میں سے ".ایک کی موت پر ختم ہوگا

،زہریان عنایہ کو اس کے گھر تک چھوڑنے آیا۔ اس نے پہلے پورے گھر کا معائنہ کیا ہر دروازے اور کھڑکی کے لاکس چیک کیے، اور پھر عنایہ کے سامنے آ کر کھڑا ہوا۔

میں باہر گاڑی میں ہی رہوں گا۔ تم اندر سے دروازہ بند کر لو،" زہریان نے ہدایت" دی۔

تم رات بھر باہر بارش میں بیٹھو گے؟" عنایہ نے فکر مندی سے پوچھا۔"

،تمہاری حفاظت سے بڑھ کر میرے لیے کچھ نہیں ہے،" زہریان نے نرمی سے کہا" اور اس کے ہاتھ کو چھوا۔ اس کے چھونے میں ایک ایسا التجا اور غم تھا جو عنایہ کے دل کو اندر تک چھو گیا۔

زہریان کے جانے کے بعد، عنایہ نے گھر کا مرکزی دروازہ بند کیا۔ اس نے بیڈ روم میں جا کر اپنی وہ پرانی ڈائری نکالی جو اسے پورچ میں ملی تھی۔

اس نے لکڑی کی میز پر بیٹھ کر ڈائری کا اگلا صفحہ کھولا۔

:سیاہی سے لکھی تحریر ابھی تازہ لگ رہی تھی، جیسے کسی نے کچھ دیر پہلے ہی لکھا ہو

> ۸ اگست... زہریان نے تمہیں سچ کا ایک چھوٹا سا حصہ بتا دیا ہے۔ لیکن وہ تمہیں وہ سچ کبھی نہیں بتائے گا جو اس کے اپنے اندر چھپا ہے۔ عنایہ، تم جس شخص کی آغوش میں پناہ ڈھونڈ رہی ہو، وہی تمہاری تباہی کا سب سے بڑا مجرم ہے۔ اس کے پاس وقت بہت کم ہے... اور تمہارے پاس بھی۔

عنایہ نے ڈائری پر اپنے ہاتھ جمائے اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان الفاظ کو دیکھتی رہی۔

اچانک اسے اپنے سینے میں ایک شدید اور غیر معمولی درد محسوس ہوا۔ ایک ایسا درد جیسے اس کا دل اندر سے نچوڑا جا رہا ہو۔ اس کی سانس رکنے لگی، اور چہرے پر شدید پسینہ آ گیا۔

آہ..." اس کے حلق سے ایک کراہ نکلی۔"

اس نے اپنا ہاتھ اپنے سینے پر رکھا۔ درد اتنا شدید تھا کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ کرسی سے نیچے قالین پر گر پڑی۔

اس نے اپنی اخری ہمت مجتمع کر کے میز پر رکھا ہوا پانی کا گلاس پکڑنے کی کوشش کی، لیکن اس کا ہاتھ گلاس سے ٹکرا کر اسے نیچے گرا گیا، اور شیشہ چور چور ہو گیا۔

باہر بارش تیز ہو چکی تھی، اور اندر عنایہ قالین پر تڑپ رہی تھی، بغیر یہ جانے کہ یہ درد خوف کا تھا... یا کسی ایسی مہلک بیماری کا خاموش آغاز، جو اس کے وجود کو اندر سے ختم کر رہی تھی۔

کمرے کی تاریکی میں ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑے زرد روشنی میں چمک رہے تھے۔ عنایہ قالین پر پڑی سسک رہی تھی، اس کا دایاں ہاتھ سینے پر سختی سے جکڑا ہوا تھا جہاں درد کی شدید لہریں لہرا رہی تھیں۔ اس کا سانس پھول رہا تھا اور جسم برف کی طرح ٹھنڈا پڑتا جا رہا تھا۔

زہریان..." اس کے خشک ہونٹوں سے ایک مدہم سی پکار نکلی، لیکن بارش کے تیز" شور اور طوفانی ہواؤں کے سامنے اس کی آواز کمرے کی چار دیواری میں ہی دم توڑ گئی۔

باہر گاڑی میں بیٹھے زہریان کو اچانک ایک عجیب سی بے چینی نے گھیرا۔ اس نے سٹیرنگ ویل پر سر ٹکا رکھا تھا، لیکن اس کا دل کسی ان ہونی کے خوف سے تیزی سے دھڑکنے لگا۔ اس نے کھڑکی سے باہر دیکھا—عنایہ کے بیڈ روم کی کھڑکی سے آتی زرد روشنی اچانک ہلتی ہوئی محسوس ہوئی۔

زہریان نے بغیر ایک سیکنڈ ضائع کیے گاڑی کا دروازہ کھولا اور تیز بارش میں باہر نکل آیا۔ وہ بھاگتا ہوا پورچ تک پہنچا اور مرکزی دروازے پر زور زور سے دستک دینے لگا۔

عنایہ! عنایہ دروازہ کھولو!" اس کی آواز میں شدید گھبراہٹ تھی۔"

جب اندر سے کوئی جواب نہ آیا تو زہریان کا خوف یقین میں بدل گیا۔ اس نے پیچھے ہٹ کر اپنے پورے وجود کے زور سے دروازے پر شانہ مارا۔ دو تین شدید ضربوں کے بعد لکڑی کا پرانا لاک ٹوٹ گیا اور دروازہ دھڑام سے کھل گیا۔

زہریان اندر بھاگا۔ بیڈ روم کا نظارہ دیکھ کر اس کے قدم جم گئے اور اس کا خون جم گیا۔

عنایہ قالین پر بے سدھ پڑی تھی، اس کے چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی اور ہاتھوں پر شیشے کے چھوٹے ٹکڑوں سے ہلکے خراش کے نشان تھے۔

،عنایہ!" زہریان نے بدحواسی میں نیچے بیٹھ کر اسے اپنے آغوش میں اٹھایا۔ "عنایہ" "!آنکھیں کھولو! تمہیں کیا ہوا ہے؟ عنایہ

اس نے عنایہ کے چہرے کو تھپتھپایا، اس کی نبض چیک کی۔ نبض انتہائی دھیمی اور بے ترتیب چل رہی تھی۔ زہریان نے اسے اپنے سینے سے بھینچ لیا، اس کی آنکھوں میں شدید تڑپ اور خوف کے آنسو تیرنے لگے—وہ خائف تھا کہ کہیں وہ اسے دوبارہ نہ کھو دے۔

وہ اسے اپنی گود میں اٹھا کر جلدی سے باہر گاڑی کی طرف بھاگا۔ بارش کے قطرے ...ان دونوں کے چہروں پر پڑ رہے تھے، لیکن زہریان کو صرف ایک ہی دھن تھی عنایہ کو بچانا۔

ہسپتال کا پرائیویٹ ایمرجنسی وارڈ نہایت خاموش تھا۔ ائیر کنڈیشنر کی دھیمی آواز اور مانیٹرز کی مسلسل بیپ... بیپ... کی آواز ماحول کو مزید بوجھل بنا رہی تھی۔

سفید کوٹ پہنے سینئر ڈاکٹر نے اپنے شیشے اتارے اور بیڈ پر بے سدھ لیٹی عنایہ کی طرف دیکھا، جس کے بازو میں ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ پھر وہ زہریان کی طرف مڑا، جو راہداری میں بے چین قدموں سے چکر کاٹ رہا تھا۔

"ڈاکٹر! وہ کیسی ہے؟ اسے کیا ہوا تھا؟" زہریان نے آگے بڑھ کر تڑپتے ہوئے پوچھا۔

ڈاکٹر کے چہرے پر انتہائی سنجیدگی اور ہمدردی کے تاثرات تھے۔ اس نے زہریان کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اسے اپنے کیبن کی طرف لے گیا۔

"مسٹر زہریان... جو میں کہنے جا رہا ہوں، اسے ذرا حوصلے سے سنیں۔" ڈاکٹر نے ڈیسک پر رکھی رپورٹس کی طرف اشارہ کیا۔ "عنایہ کو جو دورہ پڑا تھا، وہ صرف کسی خوف یا تناؤ (stress) کا نتیجہ نہیں تھا..."

"پھر؟" زہریان کی سانسیں اٹک گئیں۔

"ہم نے ان کے کچھ ارجنٹ بلڈ ٹیسٹس اور اسکینز کیے ہیں۔ عنایہ کے دل اور اعصابی نظام (nervous system) میں ایک انتہائی نادر اور مہلک خرابی پیدا ہو رہی ہے... ایک ایسی بیماری جو جسم کو اندر سے آہستہ آہستہ مفلوج اور ختم کر دیتی ہے۔"

زہریان کو لگا جیسے اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ اس کا سارا وجود سن ہو گیا۔

"یہ... یہ کیا بکواس ہے؟" زہریان نے لرزتی آواز میں کہا، اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے تیرنے لگے۔ "وہ بالکل ٹھیک تھی! اس سے پہلے اسے کبھی ایسا کچھ نہیں ہوا!"

یہ بیماری خاموشی سے جسم میں پھیلتی ہے،" ڈاکٹر نے افسوس سے سر ہلایا۔ "شدید جذباتی صدمے یا خوف کی وجہ سے اس کے اثرات اچانک ظاہر ہوتے ہیں۔ اور سب سے تلخ سچ یہ ہے مسٹر زہریان... کہ اس بیماری کا علاج فی الحال طب کی دنیا میں میسر نہیں ہے۔ ہم صرف ادویات کے ذریعے اس کی تکلیف کم کر سکتے ہیں، لیکن..."

لیکن کیا؟" زہریان نے ڈاکٹر کا گریبان پکڑنے والے انداز میں پوچھا، اس کا پورا جسم" لرز رہا تھا۔

"لیکن ان کے پاس وقت بہت کم ہے... شاید کچھ ماہ، یا شاید اس سے بھی کم۔"

کمرے میں ایک خوفناک خاموشی چھا گئی۔ زہریان کے ہاتھ آہستہ آہستہ ڈھیلے پڑ گئے۔ وہ کرسی پر دھپ سے بیٹھ گیا اور اپنے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔

اس ڈائری میں لکھے تھے: عنایہ، تم اس کے ذہن میں وہ سارے جملے گونجنے لگے جس شخص کی آغوش میں پناہ ڈھونڈ رہی ہو... اس کے پاس وقت بہت کم ہے اور تمہارے پاس بھی۔

کیا اس گمنام شخص کو پہلے سے معلوم تھا؟ کیا وہ اس بیماری کے بارے میں جانتا تھا؟ یا یہ بھی کسی گہری سازش کا حصہ تھا؟

کچھ گھنٹوں بعد، عنایہ کو ہوش آیا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنی بھاری پلکیں کھولیں۔ ہسپتال کی سفید چھت اور ڈرپ کی سستی سے گرتی بوندوں نے اسے احساس دلایا کہ وہ کہاں ہے۔

اس نے رخ موڑ کر دیکھا۔ زہریان بیڈ کے پاس رکھی کرسی پر بیٹھا تھا، اس کا سر عنایہ کے بیڈ پر جھکا ہوا تھا اور اس نے عنایہ کا ایک ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام رکھا تھا۔

عنایہ نے آہستگی سے اپنی انگلیاں ہلائیں۔ زہریان نے فوراً سر اٹھایا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرے پر گہرے کرب کے آثار تھے۔

"عنایہ... تم ٹھیک ہو؟" زہریان کی آواز بیٹھ چکی تھی۔ اس نے عنایہ کے ہاتھ پر اپنے ہونٹ رکھے، جیسے وہ اس کے وجود کا یقین کرنا چاہتا ہو۔

"زہریان... مجھے کیا ہوا تھا؟" عنایہ نے کمزور آواز میں پوچھا۔ "وہ درد... ایسا لگا جیسے میں مر رہی ہوں..."

زہریان کے دل پر جیسے کسی نے آری چلا دی۔ اس نے اپنے تمام تر ضبط کو مجتمع کیا اور اپنے چہرے پر ایک مصنوعی مسکراہٹ لانے کی کوشش کی، حالانکہ اس کی آنکھوں کا درد چھپ نہ سکا۔

"کچھ نہیں ہوا تھا، عنایہ،" زہریان نے اس کی پیشانی پر بکھری زلفوں کو پیچھے کرتے ہوئے انتہائی محبت سے کہا۔ "تم بہت زیادہ تناؤ اور خوف لے رہی تھیں، جس کی وجہ سے بلڈ پریشر خطرناک حد تک گر گیا تھا۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تم ٹھیک ہو، بس چند دن آرام کی ضرورت ہے۔"

عنایہ نے زہریان کی آنکھوں میں دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ زہریان کچھ چھپا رہا ہے۔ وہ اس کے چہرے کا ہر زاویہ پڑھ سکتی تھی، مگر اس وقت اس کے اندر اتنی سکندرانہ ہمت نہیں تھی کہ وہ مزید سوال کرتی۔

تم نے مجھے پھر بچا لیا..." عنایہ نے مدہم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔"

میں تمہیں کبھی کچھ نہیں ہونے دوں گا، عنایہ... کبھی نہیں،" زہریان نے شدید" جذبے سے کہا، مگر اندر سے اس کا دل رو رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ جس دشمن سے لڑ رہا تھا، وہ کوئی انسان نہیں بلکہ ایک ایسی موت تھی جو عنایہ کے وجود کے اندر پل رہی تھی۔

دو دن بعد، عنایہ کو ہسپتال سے ڈسچارج کر دیا گیا۔ زہریان اسے اپنے ساتھ اپنے محفوظ اپارٹمنٹ میں لے آیا، کیونکہ وہ اسے اکیلا چھوڑنے کا رسک نہیں لے سکتا تھا۔

اپارٹمنٹ کی بالکونی سے اسلام آباد کے بھیگے ہوئے مناظر نظر آ رہے تھے۔ رات کا سناٹا تھا اور ہوائیں دھیمی سرسراہٹ پیدا کر رہی تھیں۔

عنایہ بالکونی میں کھڑی ٹھنڈی ہوا کو اپنے چہرے پر محسوس کر رہی تھی جب زہریان نے پیچھے سے آ کر اس کے شانوں پر ایک گرم شال اوڑھا دی۔

تمہیں باہر نہیں کھڑا ہونا چاہیے، سردی لگ جائے گی،" زہریان نے اس کے قریب" ہوتے ہوئے کہا۔

عنایہ نے مڑ کر زہریان کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک سوال تھا جو دو دن سے اس کے اندر گھٹ رہا تھا۔

"،زہریان... تم نے مجھے بتایا تھا کہ دو سال پہلے تم مجھے بچانے کے لیے گئے تھے"
عنایہ نے اس کے کوٹ کا کونہ پکڑتے ہوئے کہا۔ "اب جب ہم پھر سے ایک ساتھ
"ہیں... تو کیا تم مجھے بتائو گے کہ وہ دشمن کون ہے؟ وہ ڈائری لکھنے والا کون ہے؟

زہریان نے ایک گہری سانس لی اور دور سڑک کی روشنیاں دیکھنے لگا۔

وہ شخص... میرے ماضی کا ایک سیاہ باب ہے، عنایہ،" زہریان کی آواز گہری ہو گئی۔"
دو سال پہلے، ایک بڑے انویسٹی گیٹو پروجیکٹ کے دوران میں نے ایک بہت بڑے"
...کرائم نیٹ ورک کو بے نقاب کیا تھا۔ ان کا سرغنہ جیل چلا گیا، لیکن اس کا بیٹا
شاہمیر'... فرار ہو گیا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ وہ مجھ سے میری ہر خوشی چھین'
"لے گا۔

زہریان نے رخ موڑ کر عنایہ کے دونوں شانے تھامے۔

شاہمیر کو پتا چل گیا تھا کہ میری کائنات تم ہو۔ اس نے مجھے دھمکی دی تھی کہ اگر"
...میں تمہارے قریب رہا تو وہ تمہیں زندہ جلا دے گا۔ میں بزدل بن گیا تھا، عنایہ
میں تمہیں کھونے کے خوف سے دور چلا گیا۔ لیکن اب... اس نے وہ ڈائری تمہارے
"گھر بھیج کر مجھے یہ پیغام دیا ہے کہ کھیل ختم نہیں ہوا ہے۔

"عنایہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ "تو وہ ڈائری شاہمیر نے بھیجی ہے؟

ہاں،" زہریان نے جمے ہوئے لہجے میں کہا۔ "لیکن اس بار میں بھاگوں گا نہیں۔ میں"
"اس کھیل کو ختم کروں گا... اس سے پہلے کہ وہ ہم تک پہنچے۔

عنایہ نے اپنے ہاتھ زہریان کے سینے پر رکھے اور اس کے قریب ہو گئی۔

"مجھے شاہمیر سے ڈر نہیں لگتا زہریان... مجھے صرف اس بات کا ڈر ہے کہ اگر تم پھر سے مجھے چھوڑ گئے تو میں جی نہیں سکوں گی۔"

زہریان نے عنایہ کو اپنے بازوؤں میں کس لیا۔ اس کا دل شدتِ غم سے پھٹ رہا تھا۔ وہ کیسے بتاتا کہ شاہمیر تو صرف ایک سایہ تھا... اصلی جنگ تو اس وقت سے تھی جو عنایہ کے پاس ختم ہو رہا تھا!

اسی رات، جب عنایہ سو گئی، زہریان اپنے اسٹڈی روم میں بیٹھا تھا۔ اس کی میز پر عنایہ کی میڈیکل رپورٹس اور وہ پراسرار ڈائری رکھی ہوئی تھی۔

اس نے ڈائری کا اگلا صفحہ کھولا۔ اس پر سرخ سیاہی سے نیا پیغام لکھا ہوا تھا:

> ۹ اگست... تم نے اسے اپارٹمنٹ میں چھپا تو لیا ہے زہریان، لیکن اس کے جسم کے اندر چلتی ہوئی الٹی گنتی (countdown) کو کیسے روکو گے؟ تمہیں کیا لگتا ہے، وہ بیماری محض ایک اتفاق ہے؟ یا تم بھول گئے ہو کہ دو سال پہلے شاہمیر کے لیب سے کون سا زہر غائب ہوا تھا؟ عنایہ بیمار نہیں ہے... اسے آہستہ آہستہ ختم کیا جا رہا ہے۔ اور اس کا تریاق (antidote) صرف میرے پاس ہے!

یہ جملے پڑھتے ہی زہریان کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ اس کے جسم میں ایک خوفناک زلزلہ آ گیا۔

مرض نہیں... زہر!

عنایہ کو زہر دیا جا رہا تھا!

زہریان نے غصے اور جنون میں ڈائری پر اپنا گھونسلا مارا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اتنے خوفناک ہو گئے کہ جیسے وہ پوری دنیا کو آگ لگا دے گا۔

"!شاہمیر..." زہریان کے دانت پِس گئے۔ "میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا"

زہریان کے خون میں کھولتا ہوا غصہ اور رگوں میں دوڑتا خوف ایک خوفناک طوفان بن چکا تھا۔ اس کے ہاتھ لرز رہے تھے لیکن آنکھوں میں ایک پاگل پن اور خونخوار عزائم جھلک رہے تھے۔ اگر عنایہ کا مرض کوئی فطری بیماری نہیں بلکہ شاہمیر کا دیا ہوا سست رفتار زہر تھا، تو اس کا مطلب تھا کہ عنایہ کو بچایا جا سکتا تھا—بشرطیکہ وہ شاہمیر تک پہنچ کر اس سے تریاق حاصل کر لے۔

اس نے فوراً اپنا فون نکالا اور ایک خفیہ نمبر ڈائل کیا۔

مجھے شاہمیر کی موجودہ لوکیشن ابھی کے ابھی چاہیے،" زہریان کی آواز میں اتنی سرد" مہری اور درندگی تھی کہ فون کے دوسری طرف موجود شخص بھی ایک پل کے لیے کانپ اٹھا۔

کی ویران بلڈنگ (distillery) زہریان... وہ اسلام آباد کی پرانی زیرِ زمین ڈسٹلری" میں دیکھا گیا ہے، لیکن وہاں جانا خودکشی ہے۔ اس کے پاس ہتھیار اور اس کے "...آدمی

مجھے پروا نہیں!" زہریان نے غرّاتے ہوئے بات کاٹی۔ "اگر مجھے اس کے لیے جہنم" "میں بھی جانا پڑا تو میں جاؤں گا۔

اس نے فون بند کیا اور دراز سے اپنی لوڈڈ پسٹل نکال کر کوٹ کی اندرونی جیب میں چھپائی۔ جانے سے پہلے وہ آہستگی سے بیڈ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔

عنایہ بیڈ پر بے سدھ سو رہی تھی۔ اس کا چہرہ زرد تھا اور چاندنی کی روشنی میں اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے صاف نظر آ رہے تھے۔ زہریان قدم بقدم اس کے قریب آیا اور بیڈ کے کنارے بیٹھ گیا۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے عنایہ کے چہرے پر بکھری زلفوں کو پیچھے کیا اور جھک کر اس کی پیشانی پر اپنے تپتے ہوئے ہونٹ رکھ دیے۔ اس ایک لمس میں زہریان کا پورا وجود، اس کی تڑپ، اس کی التجا اور اس کا غیر متزلزل عشق سمویا ہوا تھا۔

میں تمہیں مرنے نہیں دوں گا، عنایہ..." زہریان نے انتہائی مدہم، درد سے ڈوبی" سرگوشی میں کہا، اس کی آنکھ سے ایک گرم آنسو نکل کر عنایہ کے گال پر گرا۔ "چاہے اس کی قیمت مجھے اپنی جان دے کر ہی کیوں نہ چکانی پڑے۔"

،عنایہ نے نیند میں ہی ایک ہلکی سی آہ بھری اور زہریان کا ہاتھ تھامنے کی کوشش کی مگر زہریان نے آہستگی سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور پیچھے ہٹ گیا۔

اس نے آخری بار مڑ کر عنایہ کے نازک، بیمار وجود کو دیکھا—ایک ایسا وجود جو اس کے لیے اس کی کائنات تھا—اور پھر زہریان ملک ایک جنونی عاشق کی طرح اپنے آخری اور سب سے خوفناک معرکے کے لیے اپارٹمنٹ کا دروازہ بند کر کے اندھیری اور طوفانی رات میں غائب ہو گیا۔

رات کے تین بج رہے تھے۔ اسلام آباد کے صنعتی علاقے کی وہ پرانی، ویران ڈسٹلری بارش اور اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ چاروں طرف زنگ آلود لوہے، ٹوٹے ہوئے شیشوں اور گندے پانی کی بو پھیلی ہوئی تھی۔

زہریان سائے کی طرح خاموشی سے بلڈنگ کے اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں پسٹل پر گرفت مضبوط تھی۔ اس کا دل سینے میں اتنی زور سے دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ دے گا، لیکن دماغ بالکل سن اور برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔

"!میں جانتا تھا تم آؤ گے... زہریان ملک"

ایک بھیانک، طنزیہ قہقہہ عمارت کے لوہے کے بیمز سے ٹکرا کر گونجا۔

زہریان نے فوراً بندوق اس سمت گھمائی۔ اوپری گیلری کی گرل پر ایک شخص سگریٹ کا دھواں اڑاتا ہوا کھڑا تھا۔ اس کے گرد تین مسلح گارڈز کھڑے تھے۔

!شاہمیر

زہر کا تریاق کہاں ہے؟" زہریان نے بغیر کسی تمہید کے، خونخوار لہجے میں پوچھا۔"

شاہمیر نے سگریٹ نیچے پھینکی اور آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا۔ اس کے چہرے پر ایک زہریلی اور فتح مندانہ مسکراہٹ تھی۔

کتنا ترس آتا ہے مجھے تم پر زہریان،" شاہمیر نے زہریان سے چند گز کے فاصلے پر جا" کر اپنے ہاتھ جیب میں ڈالے۔ "تم نے سوچا تم مجھ سے میری دنیا چھین لو گے اور میں خاموش رہوں گا؟ میں نے تمہاری محبوبہ کے وجود میں وہ زہر اتارا ہے جو اسے

قطرہ قطرہ کر کے مار رہا ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے... کہ ہر گزرتے سیکنڈ کے ساتھ اس کے دل کی دھڑکنیں کم ہو رہی ہیں۔"

"میں نے پوچھا تریاق کہاں ہے؟!" زہریان نے چیخ کر پسٹل کا ٹریگر دبانے کے لیے انگلی کس لی۔

"اگر تم نے مجھے گولی ماری،" شاہمیر نے ایک چھوٹی سی شیشے کی وائل (vial) اپنی جیب سے نکال کر دکھائی، جس میں نیلے رنگ کا مائع چمک رہا تھا، "تو یہ تریاق اس پکے فرش پر گر کر چور چور ہو جائے گا۔ اور تمہاری عنایہ... اگلے تین گھنٹوں میں ہمیشہ کے لیے سو جائے گی۔"

زہریان کے ہاتھ جم گئے۔ اس کی آنکھوں میں شدید بیچارگی اور لرزہ طاری ہو گیا۔

"تم کیا چاہتے ہو؟" زہریان نے اپنی غرور سے بھری آواز کو التجا میں بدلتے ہوئے کہا۔ "میری جان لے لو شاہمیر! مجھے مار دو... لیکن عنایہ کو وہ تریاق دے دو۔ اس کا اس سب سے کوئی قصور نہیں ہے!"

شاہمیر کا قہقہہ مزید بھیانک ہو گیا۔ "تمہاری جان؟ نہیں زہریان... اتنی آسان موت نہیں! میں چاہتا ہوں کہ تم تڑپو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی آنکھوں کے سامنے اسے مرتے ہوئے دیکھو، بالکل ویسے ہی جیسے میں نے اپنے باپ کو قید خانے میں مرتے دیکھا تھا!"

شاہمیر نے اشارہ کیا۔ اس کے گارڈز نے زہریان پر حملہ کر دیا۔

ایک شدید اور خونریز جھڑپ شروع ہوئی۔ زہریان پاگلوں کی طرح لڑا۔ اس نے دو گارڈز کو گولی مار کر وہیں ڈھیر کر دیا، لیکن تیسرے گارڈ کے لوہے کے راڈ کا شدید وار زہریان کے سر کے پچھلے حصے پر لگا۔

!دھڑام

زہریان گھٹنوں کے بل نیچے گرا۔ اس کے سر سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا اور اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

شاہمیر نے زہریان کے قریب آ کر اس کے منہ پر ایک شدید ٹھوکر ماری۔ زہریان خون تھوکتا ہوا قالین پر گر پڑا، مگر اس کے بکھرتے ہوئے حواس میں صرف عنایہ کا چہرہ تھا۔ اس نے انتہائی ہمت کر کے شاہمیر کا پیر پکڑنے کی کوشش کی۔

"تریاق..." زہریان کے خون آلود ہونٹوں سے نکلنے والے الفاظ اب سسکی بن چکے تھے۔ "عنایہ... کو... بچا لو..."

شاہمیر نے شیشے کی وہ وائل زہریان کی آنکھوں کے بالکل سامنے لہرائی۔

"اگر اسے بچانا چاہتے ہو زہریان... تو کھیل کا آخری اور سب سے خوفناک قانون سنو،" شاہمیر نے جھک کر اس کے کان میں زہریلا طنز گھولا۔ "یہ تریاق میں تمہیں دوں گا... لیکن اس کی قیمت تمہاری اپنی زندگی کا آخری سانس ہے۔ تمہیں عنایہ کی زندگی کے بدلے خود کو ختم کرنا ہوگا!"

زہریان کی آنکھوں سے خون اور آنسو مل کر اس کے چہرے پر بہنے لگے۔ اس نے بوجھل پلکوں کے ساتھ شاہمیر کی طرف دیکھا اور ایک تلخ، مگر پرسکون مسکراہٹ اس کے چہرے پر ابھر آئی۔

مجھے... منظور ہے،" زہریان نے ہانپتے ہوئے کہا۔"

اسی لمحے، اپارٹمنٹ میں سوئی ہوئی عنایہ کی آنکھ اچانک کھلی۔ اس کا پورا جسم شدید پسینے میں شرابور تھا اور اس کے سینے میں وہی دباؤ اور تڑپ دوبارہ بیدار ہو چکی تھی۔ اس نے بیڈ روم سے باہر جھانکا—پورا اپارٹمنٹ ویران اور تاریک تھا۔

زہریان؟" اس کی آواز میں ایک خوفناک ان ہونی کی بو تھی جو اس کی روح کو کانپنے" پر مجبور کر رہی تھی۔

بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی ڈائری پر کھڑکی سے آتی ہوا کا ایک شدید جھونکا پڑا اور اس کا سب سے آخری صفحہ خود بخود کھل گیا۔ اس پر خشک ہوتے ہوئے سرخ قطرے چمک رہے تھے اور نیچے لکھی آخری تحریر چیخ چیخ کر عنایہ کو اس کی دنیا اجڑنے کی خبر دے رہی تھی...

بابِ دوم: ساحلِ زیست کا آخری سورج

تاریک کوریڈور میں خاموشی اتنی گہری تھی کہ عنایہ کی اپنی بے ترتیب اور ناہموار ہوتی سانسوں کی آواز بھی ایک گونج بن کر ابھر رہی تھی۔ اس کے جسم پر لرزہ طاری تھا اور بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھی کھلی ڈائری کے آخری صفحے پر چمکتے سرخ الفاظ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک بھیانک سچائی کی طرح روشن تھے۔

> ۱۰ اگست... تم نے سوچا زہریان تمہاری ڈھال بن کر تمہیں بچا لے گا؟ عنایہ، تم جس شخص کو اپنا محافظ سمجھ رہی ہو، وہ تمہیں بچانے نہیں بلکہ تمہارے ساتھ اس آگ میں جلنے نکلا ہے۔ اگر وہ صبح کی پہلی کرن سے پہلے واپس نہ آیا... تو سمجھ لینا کہ تمہاری زندگی کا چراغ بجھانے کے لیے اس نے اپنے وجود کی آخری شمع بجھا دی ہے۔

عنایہ کی آنکھوں سے گرم آنسو نکل کر گالوں پر بہہ نکلے۔ سینے کا درد اب صرف جسمانی نہیں رہا تھا، بلکہ ایک ایسی روح فرسا تڑپ بن چکا تھا جو اس کے بکھرتے ہوئے وجود کو اندر سے کھوکھلا کر رہی تھی۔

"نہیں... زہریان... تم ایسا نہیں کر سکتے..." اس کے خشک ہونٹوں سے سسکی نکلی۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے میز پر رکھا اپنا موبائل فون اٹھایا اور زہریان کا نمبر ڈائل کیا۔ فون کی گھنٹی مسلسل بجتی رہی، مگر دوسری طرف سے صرف خاموشی اور ایک بے رحم بیپ کی آواز آتی رہی۔

عنایہ نے فون اپنے سینے سے لگا لیا۔ اسے اس وقت کسی بیماری، کسی زہر یا کسی دشمن کا خوف نہیں تھا... اسے خوف تھا تو صرف زہریان کو کھو دینے کا۔ وہ شخص جو دو سال پہلے اس کی زندگی سے خاموشی سے نکل گیا تھا، آج پھر اسے ایک ایسے موڑ پر چھوڑ کر جا رہا تھا جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

وہ گرتی پڑتی اپارٹمنٹ کے مرکزی دروازے کی طرف بڑھی اور ہینڈل گھما کر باہر نکل آئی۔

ویران ڈسٹلری کے اندر کا منظر کسی مقتل جیسا تھا۔ لوہے کی گرلز سے خون کے قطرے نیچے فرش پر ٹپک رہے تھے۔ زہریان زمین پر سست روی سے سانسیں لے رہا تھا، اس کا ادھا چہرہ خون سے لت پت تھا اور اس کی گہری، سیاہ آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔

شاہمیر نے اپنے پیر سے زہریان کا شانہ موڑ کر اسے سیدھا کیا اور شیشے کی وہ نیلگوں وائل اس کے سامنے لہرائی۔

دیکھو زہریان... اس چھوٹے سے شیشے میں تمہاری عنایہ کی زندگی بند ہے،" شاہمیر" نے زہریلا قہقہہ لگایا۔ "لیکن شرط یاد ہے نا؟ اس تریاق کا ایک ایک قطرہ عنایہ کی "رگوں میں تب ہی اترے گا جب تم اپنے ہاتھ سے اپنے سر میں گولی مارو گے۔

شاہمیر نے ایک لوڈڈ پسٹل زہریان کے خون آلود ہاتھ کے پاس سرک دی۔

تمہارے پاس صرف دس منٹ ہیں،" شاہمیر نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔" اس کے بعد اس زہر کا اثر عنایہ کے دل کو ہمیشہ کے لیے ساکت کر دے گا۔ فیصلہ" "تمہارے ہاتھ میں ہے... تمہاری زندگی، یا اس کی؟

زہریان نے دھندلاتی ہوئی نظروں سے اس بندوق کو دیکھا۔ اس کے جسم میں اب اتنی سکندرانہ طاقت نہیں بچی تھی کہ وہ کھڑا ہو سکے یا شاہمیر سے مزید لڑ سکے۔ اس کے سر سے بہتا خون اس کی آنکھوں کے سامنے ایک سرخ پردہ تان رہا تھا۔

اس نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ آگے بڑھایا اور زمین پر پڑی پسٹل پر اپنی انگلیاں جما لیں۔

اس کا ذہن ماضی کے ان خوبصورت لمحات کی طرف لوٹ گیا جب عنایہ کی کھلی، بے ساختہ ہنسی اس کی پوری کائنات کو روشن کر دیتی تھی۔ وہ لمحہ جب عنایہ نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہا تھا کہ 'تم میرے لیے اس دنیا کا سب سے بڑا سائے ہو زہریان...'

زہریان کے خون آلود ہونٹوں پر ایک انتہائی نرم، پرسکون اور غمگیں مسکراہٹ ابھری۔

میں... میں نے تم سے محبت کی تھی عنایہ..." زہریان کے حلق سے ایک مدہم، درد" "ناک سرگوشی نکلی۔ "اور محبت میں... زندگی کا سودا کرنا کوئی بڑی قیمت نہیں ہوتی۔

اس نے پسٹل کی نالی اپنی کنپٹی پر رکھی۔ شاہمیر کی آنکھوں میں فتح اور درندگی کی ایک بھیانک چمک ابھری۔

شہر کی سڑکوں پر طوفانی بارش اور تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ عنایہ ایک ٹیکسی میں بیٹھی تھی، اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے اور وہ ڈرائیور سے بار بار گاڑی تیز چلانے کی التجا کر رہی تھی۔

ڈائری میں لکھی گئی باتوں اور زہریان کے موبائل کی آخری لوکیشن کے ذریعے اسے اس ویران صنعتی علاقے کا پتا مل گیا تھا۔ اس کا دل چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ اگر وہ چند منٹ بھی تاخیر سے پہنچی تو وہ سب کچھ ہار جائے گی۔

ٹیکسی ویران ڈسٹلری کے زنگ آلود گیٹ پر جا کر رکی۔ عنایہ نے بغیر کرایہ دیے دروازہ کھولا اور بارش کے تیز تھپیڑوں کی پروا کیے بغیر اندر کی طرف بھاگی۔

اس کے پیر کیچڑ اور ٹوٹے ہوئے شیشوں پر پڑ رہے تھے، مگر اسے اپنے جسمانی درد کا کوئی احساس نہیں تھا۔

وہ جوں ہی بلڈنگ کے مرکزی ہال کے زنگ آلود دروازے تک پہنچی... اندر سے ایک شدید اور سنسنی خیز آواز فضا کو چیرتی ہوئی باہر آئی۔

!ٹھائیں

گولی کے چلنے کی آواز عمارت کی دیواروں سے ٹکرا کر عنایہ کی سماعتوں پر ہتھوڑے کی طرح لگی۔

عنایہ کے قدم وہیں جم گئے۔ اس کا سانس سینے میں اٹک گیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک پل کے لیے مکمل اندھیرا چھا گیا۔

"زہریان!!!"

ایک دلدوز اور قیامت خیز چیخ عنایہ کے حلق سے نکلی اور وہ دیوانہ وار اندر کی طرف بھاگی۔

ہال کے اندر کا منظر دیکھ کر عنایہ کی روح فنا ہو گئی۔

فرش پر، خون کے سرخ تالاب کے درمیان... زہریان بے سدھ پڑا تھا، اور شاہمیر کے ہاتھ میں تریاق کی وہ شیشے والی وائل اب بھی چمک رہی تھی۔

عنایہ کے قدموں تلے سے زمین نکل گئی۔ سامنے کا منظر کسی ہولناک کابوس جیسا تھا—خون میں لت پت زہریان، اور اس کے چند انچ کے فاصلے پر زمین پر گرتا ہوا زہریان کا بے جان وجود۔

"زہریان!"

عنایہ بھاگتی ہوئی ائی اور زہریان کے پاس گھٹنوں کے بل گر پڑی۔ اس نے بارش اور خون سے تر زہریان کا سر اٹھا کر اپنی گود میں رکھا۔ اس کا پورا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا اور ہاتھ زہریان کے چہرے پر لگے خون سے لال ہو چکے تھے۔

زہریان! آنکھیں کھولو... خدا کے لیے آنکھیں کھولو! تم مجھے ایسے چھوڑ کر نہیں جا" سکتے!" عنایہ کی دلدوز چیخیں اس ویران عمارت میں گونج رہی تھیں۔

زہریان کی بھاری، ادھ کھلی آنکھوں میں زندگی کی آخری رمق باقی تھی۔ اس کے ہونٹوں سے خون کا قطرہ نکل کر اس کے گال پر بہہ گیا۔ اس نے انتہائی تکلیف اور

ہمت کے ساتھ اپنا خون آلود ہاتھ اٹھایا اور عنایہ کے آفت زدہ، آنسوؤں سے تر چہرے کو چھوا۔

...عنایہ..." زہریان کے حلق سے ایک بے حد مدہم اور کانپتی ہوئی سرگوشی نکلی۔ "تم" "تم یہاں کیوں آئی؟

تم نے یہ کیا کیا زہریان؟ تم نے اپنی جان کیوں داؤ پر لگا دی؟" عنایہ زار و قطار رو" رہی تھی، اس کے آنسو زہریان کے چہرے پر گر رہے تھے۔

زہریان نے ایک تلخ مگر بے پناہ محبت سے بھری مسکراہٹ کے ساتھ عنایہ کی طرف دیکھا۔ اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔

"...میں نے... میں نے تم سے وعدہ کیا تھا نا... کہ تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا" زہریان کی آواز ڈوب رہی تھی۔ "تمہاری... تمہاری زندگی کے بدلے... میری جان "...بہت سستی تھی، عنایہ

شاہمیر تھوڑے فاصلے پر کھڑا اس دردناک منظر کو دیکھ کر ایک وحشیانہ قہقہہ لگا رہا تھا۔

کتنا خوبصورت منظر ہے!" شاہمیر نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ "محبت کی فتح" اور عاشق کا خاتمہ! عنایہ، تمہارا یہ محافظ اب چند سیکنڈز کا مہمان ہے۔ اور یہ "...تریاق

شاہمیر نے نیلے مائع والی شیشی عنایہ کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔

"یہ تریاق اب بھی میرے پاس ہے۔ لیکن اب تمہیں اسے حاصل کرنے کے لیے مجھ سے بھیک مانگنی ہوگی!"

عنایہ نے اپنی خونچکاں آنکھیں اٹھا کر شاہمیر کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف کا نام و نشان نہیں تھا، صرف ایک شدید، جنونی نفرت اور آگ تھی۔ اس نے زہریان کو آہستگی سے نیچے لٹایا اور زمین پر پڑی زہریان کی وہی پسٹل پر اپنے کانپتے لیکن مضبوط ہاتھ جما لیے۔

"شاھمیر کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ "تم... تم کیا کرنے والی ہو؟

"تم نے میری دنیا اجاڑی ہے شاہمیر..." عنایہ نے پستول شاہمیر کے سینے پر تانتے ہوئے لرزتی مگر برف کی طرح سخت آواز میں کہا۔ "اور جو دنیا اجاڑ دے... اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ہوتا!"

ٹھائیں!

عنایہ نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ٹریگر دبا دیا۔ گولی سیدھی شاہمیر کے سینے کے پار ہو گئی۔ شاہمیر کی آنکھیں پھٹ گئیں، اس کے ہاتھ سے تریاق کی شیشی چھوٹ کر ہوائی لہروں میں تیرنے لگی۔ شاہمیر دھڑام سے زمین پر گر پڑا، اور اس کے ہاتھ سے چھوٹتی ہوئی شیشی کو عنایہ نے اپنی جان کی پروا کیے بغیر آگے لپک کر اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

شیشی محفوظ تھی... مگر زہریان کی سانسیں اب آخری ہچکیوں پر تھیں۔

عنایہ بدحواسی میں زہریان کی طرف لوٹی۔ "زہریان! دیکھو، تریاق مل گیا! میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گی!"

اس نے شیشی کا ڈھکن کھولا اور اس کا مائع زہریان کے خون آلود ہونٹوں میں اتارنے کی کوشش کی۔ لیکن زہریان کا سر ایک طرف ڈھلک گیا، اس کی آنکھوں کا نور آہستہ آہستہ مدہم ہو رہا تھا اور اس نے عنایہ کی کلائی پر اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔

"زہریان! نہیں! زہریان!" عنایہ نے اس کے سینے پر سر رکھ کر دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دیا۔

اس کے اپنے سینے میں بھی زہر کا درد شدت اختیار کر چکا تھا۔ اس کا سانس گھٹنے لگا تھا اور نظروں کے سامنے سیاہی چھانے لگی تھی۔ لیکن وہ اس تریاق کو پینے کے بجائے زہریان کے بے جان وجود کو اپنے ساتھ بھینچ کر روتی رہی۔

"اگر تم اس دنیا میں نہیں رہے زہریان..." عنایہ نے اس کے ٹھنڈے ہوتے گال کو چومتے ہوئے سرگوشی کی، "تو اس تریاق کو پی کر جی کر بھی میں کیا کروں گی؟ ہم نے ساتھ جینے کا وعدہ نہیں کیا تھا... لیکن ساتھ مرنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

عنایہ نے وہ شیشی وہیں زنگ آلود فرش پر پٹک کر توڑ دی۔ نیلا مائع زہریان کے خون میں مل کر بہنے لگا۔

اس نے زہریان کے سینے پر سر ٹکایا، اس کی آنکھیں آہستہ آہستہ بند ہونے لگیں، اور دل کی دھڑکنیں مدہم ہوتے ہوتے زہریان کی خاموش ہوتی دھڑکنوں کے ساتھ مل کر ہمیشہ کے لیے ساکت ہو گئیں۔

باہر طوفانی بارش جاری تھی، اور اندر وہ دونوں ایک دوسرے کی آغوش میں خاموش لیٹے تھے—محبت جیت چکی تھی، لیکن زندگی ہار گئی تھی۔

بارش کا شور آہستہ آہستہ تھم رہا تھا، مگر اس ویران بلڈنگ کے اندر پھیلی ہوئی خاموشی اتنی بوجھل اور سنگین تھی کہ جیسے پوری کائنات نے اپنا سانس روک لیا ہو۔ زنگ آلود لوہے کے فرش پر سرخ خون اور نیلے تریاق کا ملا جلا مائع ایک چھوٹی سی ندی کی صورت میں بہہ رہا تھا۔

عنایہ کا سر زہریان کے سکون سے سوئے ہوئے سینے پر رکھا تھا، اور اس کے پیلا پڑتے چہرے پر اب درد یا خوف کا کوئی تاثر نہیں تھا... صرف ایک عجیب سا، ابدی اطمینان تھا۔

عمارت کے ٹوٹے ہوئے روزن سے صبح کا پہلا سنہرا کِرن اندر داخل ہوا۔ روشنی کی ایک باریک پٹی عنایہ اور زہریان کے ایک دوسرے میں الجھے ہوئے وجود پر پڑی، جس نے ان کے خون آلود چہروں کو ایک مقدس نور میں نہلا دیا۔

...چند گھنٹوں بعد

اسلام آباد پولیس کی گاڑیاں اور ایمبولینس کی تیز سائرن کی آوازیں پرانی ڈسٹلری کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ جب انسپکٹر اور اس کی ٹیم بھاگتے ہوئے ہال کے اندر داخل ہوئے، تو وہاں کا منظر دیکھ کر ہر شخص کے قدم وہیں جم گئے۔

شاہمیر کی لاش تھوڑے فاصلے پر بے حس و حرکت پڑی تھی، جبکہ ہال کے وسط میں زہریان اور عنایہ ایک دوسرے کو آغوش میں لیے یوں خاموش لیٹے تھے جیسے کسی گہری، پرسکون نیند میں ہوں۔

انسپکٹر نے آہستہ سے آگے بڑھ کر عنایہ کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور افسوس سے سر ہلایا۔

کچھ نہیں بچا..." انسپکٹر نے مدہم آواز میں کہا۔ "ان دونوں کے دل کی دھڑکنیں بند" "ہو چکی ہیں۔

میڈیکل ٹیم کے ایک ڈاکٹر نے جھک کر عنایہ کے ہاتھوں کے پاس پڑی ڈائری کے جلے ہوئے اور بھیگے ہوئے ٹکڑوں کو اٹھایا۔ وہ گمنام ڈائری جو اس سارے عذاب کا سبب بنی تھی، اب زہریان اور عنایہ کے خون میں تر ہو کر اپنے آخری راز کے ساتھ دم توڑ چکی تھی۔

ڈاکٹر نے لرزتی آواز میں انسپکٹر کی طرف دیکھا۔ "سر... لڑکی نے زہر کا تریاق خود "پینے کے بجائے اسے فرش پر بہا دیا۔ وہ بچ سکتی تھی... لیکن اس نے مرنا چنا۔

انسپکٹر نے ان دونوں کے پرسکون چہروں پر نظر ڈالی اور ایک گہری سانس لی۔

اس نے زندگی کو نہیں چنا ڈاکٹر... اس نے اپنی محبت کو چن لیا۔ اور شاید بعض" "کہانیوں میں جی جانا اتنی بڑی فتح نہیں ہوتی جتنی ساتھ مر جانا ہوتی ہے۔

مارگلہ کی پہاڑیوں کے دامن میں واقع ایک خاموش قبرستان میں، سبرے کی ٹھنڈی ہوا درختوں کے پتوں کو چھو کر گزر رہی تھی۔

دو تازہ قبریں بالکل ایک دوسرے کے ساتھ بنائی گئی تھیں۔ ان کے کتبوں پر سادہ الفاظ میں نام کھدے ہوئے تھے: **"زہریان ملک"** اور **"عنایہ"**۔

حرا، جو عنایہ کی سب سے پیاری دوست تھی، سیاہ لباس میں ملبوس قبروں کے پاس بیٹھی زار و قطار رو رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں وہ چمڑے کی جلد والی ڈائری کا آخری بچ جانے والا صفحہ تھا، جسے اس نے عنایہ کے کمرے سے حاصل کیا تھا۔

ہوا کا ایک شدید جھونکا آیا اور حرا کے ہاتھ سے وہ کاغذ کا ٹکڑا چھوٹ کر عنایہ کی قبر کے پھولوں پر جا گرا۔

اس صفحے پر عنایہ کے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی آخری چند سطریں موجود تھیں، جو اس نے اس خوفناک رات اپارٹمنٹ سے نکلنے سے پہلے اپنے آنسوؤں سے لکھی تھیں:

> زہریان... تم نے سوچا تھا کہ تم اکیلے میری زندگی کا سودا کر لو گے؟ تم بھول گئے تھے کہ عنایہ زہریان کے بغیر صرف ایک بے روح نام ہے۔
> اگر زندگی نے ہمیں ایک ساتھ سانس لینے کی اجازت نہیں دی، تو موت ہمیں ایک دوسرے سے جدا کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتی۔ ہم جا رہے ہیں... اس دنیا سے دور، جہاں کوئی شاہمیر نہیں ہوگا، کوئی بیماری نہیں

ہو گی، کوئی پراسرار ڈائری نہیں ہوگی... صرف تم ہوگے، میں ہوں گی، اور ہماری وہ محبت ہوگی جو کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔

قبرستان میں پھیلی خاموشی جیسے ان الفاظ کی گواہی دے رہی تھی۔

آس پاس کے درختوں کے پتے ہوا میں جھوم رہے تھے، جیسے وہ ان دو روحوں کو خراجِ تحسین پیش کر رہے ہوں جو اس بے رحم دنیا کی ہر سازش اور ہر عذاب کو شکست دے کر، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک ہو چکی تھیں۔

محبت فتح یاب ہو چکی تھی... مگر زندگی، اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ، ہار چکی تھی۔

دن گزرتے گئے، لیکن اس حادثے کی گونج شہر کی فضاؤں سے کم نہ ہو سکی۔ نیوز روم میں عنایہ کی ڈیسک آج بھی ویسے ہی سجائی ہوئی تھی—اس کی پرانی فائلوں کا پلندہ، اس کا پسندیدہ مگ، اور وہ چھوٹی سی ڈائری جو وہ اکثر اپنے ساتھ رکھتی تھی۔

حرا روز صبح آفس آتی اور عنایہ کی خالی کرسی کو دیکھ کر اس کی آنکھیں نم ہو جاتیں۔ ،آفس کے باقی تمام ملازمین کے لیے یہ محض ایک المیہ یا سنسنی خیز کرائم نیوز تھی لیکن حرا کے لیے یہ اس کی سب سے سچی دوست اور ایک دیوانے عاشق کی لازوال داستان کا دردناک اختتام تھا۔

ایک شام، جب دفتر کا تمام عملہ جا چکا تھا، حرا نے عنایہ کے ڈیسک کی دراز کھولی۔ وہ اس کا سامان سمیٹ کر اس کے گھر والوں تک پہنچانا چاہتی تھی۔

دراز کے سب سے نچلے خانے میں، کاغذات کے نیچے چھپا ہوا ایک سفید لفافہ ملا۔ اس پر حرا کا نام لکھا ہوا تھا۔

حرا نے کانپتے ہاتھوں سے وہ لفافہ کھولا۔ اندر عنایہ کے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک چھوٹا سا خط تھا، جو شاید اس نے اس طوفانی رات اپارٹمنٹ سے نکلنے سے چند لمحے پہلے لکھا تھا:

حرا! اگر تم یہ خط پڑھ رہی ہو، تو اس کا مطلب ہے کہ میں اور زہریان اس دنیا کے شور سے بہت دور جا چکے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہمارے سفر کا انجام کیا ہوا، لیکن مجھے اس بات کا کوئی ملال نہیں ہے۔

میں تم سے ایک التجا کرنا چاہتی ہوں۔ دنیا ہمارے بارے میں بہت کچھ کہے گی—کچھ لوگ ہمیں دیوانہ کہیں گے، کچھ لوگ اس واقعے کو محض ایک کرائم کی ہسٹری بنا دیں گے۔ لیکن تم جانتی ہو کہ سچ کیا تھا۔ تم دنیا کو بتانا حرا... کہ زہریان ملک بزدل نہیں تھا، وہ مجھ سے بھاگا نہیں تھا، بلکہ وہ مجھے اپنی جان سے زیادہ چاہتا تھا۔ اور میں... میں نے اس کے بغیر جینے پر اس کے ساتھ مرنے کو ترجیح دی۔

ہماری کہانی کو کسی ڈائری کے خوفناک صفحات میں دفن نہ ہونے دینا۔ لوگ پڑھیں تو انہیں معلوم ہو کہ سچی محبت صرف پانے کا نام نہیں ہوتی... کبھی کبھی سب کچھ ہار کر بھی انسان جیت جاتا ہے۔

فقط، تمہاری عنایہ

حرا نے خط کو اپنے سینے سے لگا لیا اور ڈیسک پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

اس نے اسی وقت فیصلہ کیا کہ وہ عنایہ کی اس اخری خواہش کو پورا کرے گی۔ وہ زہریان اور عنایہ کی اس داستانِ عشق کو، ان کے ضبط، ان کے درد اور ان کی عظیم قربانی کو الفاظ کا روپ دے گی۔

...کچھ سال بعد

اسلام آباد کے ایک پرفضا ہال میں ایک نئ کتاب کی رونمائی کی تقریب جاری تھی۔
:سٹیج پر ایک بڑی فلیکس لگی تھی جس پر خوبصورت الفاظ میں لکھا تھا

متاعِ جان کا آخری راز")ایک سچی اور لازوال محبت کی داستان("

مصنفہ کی جگہ "حرا شاہ" کا نام درج تھا۔

تقریب میں موجود ہر شخص کی آنکھوں میں نمی تھی۔ حرا نے مائیک سنبھالا اور سامنے بیٹھے ہوئے سامعین کی طرف دیکھا۔

یہ کہانی کسی خیالی کردار کی نہیں ہے،" حرا کی آواز بوجھل تھی مگر اس میں ایک" استحکام تھا۔ "یہ کہانی دو ایسے انسانوں کی ہے جنہوں نے ثابت کیا کہ جب सा عجیب محبت سچی ہو، تو موت بھی ان کا رابطہ نہیں توڑ سکتی۔ زہریان نے عنایہ کے لیے اپنے "اخری سانس کا سودا کیا، اور عنایہ نے زہریان کے بغیر ملنے والی زندگی کو ٹھکرا دیا۔

ہال میں موجود تمام لوگ احترام اور جذباتی انداز میں کھڑے ہو کر تالیاں بجانے لگے۔

تقریب کے اختتام پر، حرا کتاب کا پہلا نسخہ لے کر سیدھی مارگلہ کے دامن میں واقع اس خاموش قبرستان پہنچی۔

سورج غروب ہو رہا تھا اور شفق کی سرخ روشنی زہریان اور عنایہ کی قبروں پر بکھری ہوئی تھی۔ ہوا میں وہی پرانی، شناسا خنکی اور سکون تھا۔

حرا نے وہ کتاب دونوں قبروں کے درمیان بنے چھوٹے سے چبوترے پر رکھ دی۔

دیکھو عنایہ... تم دونوں کی کہانی اب صرف تمہاری نہیں رہی،" حرا نے نم آنکھوں" سے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی۔ "پوری دنیا اب جانتی ہے کہ تم اور زہریان ایک "دوسرے کے لیے کیا تھے۔

ہوا کا ایک نرم اور پیارا جھونکا آیا، جس نے قبر کے پھولوں کی پتیوں کو چھوا اور کتاب کے صفحات کو خود بخود پلٹنا شروع کر دیا۔

ایسا لگا جیسے وہ دونوں روحیں وہیں آس پاس موجود ہوں... پرسکون، آزاد اور ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کی آغوش میں محفوظ۔

سال گزرتے رہے، لیکن مارگلہ کی پہاڑیوں کا وہ گوشہ اور وہ دو قربت زدہ مرقد جیسے وقت کے اثرات سے آزاد ہو چکے تھے۔ موسمی تبدیلیوں نے شہر کے خد و خال بدل دیے تھے، لیکن اس خاموش قبرستان میں آنے والی ہوا آج بھی وہی پرانی، بوجھل اور دلگداز داستان سنایا کرتی تھی۔

اگست کو، زہریان اور عنایہ کی برسی کے دن، اسی جگہ آتی۔ وہ حرا اب ہر سال ۱۰ وہاں گھنٹوں بیٹھتی، ان کی قبروں پر گلاب کی پتیاں بکھیرتی اور کتاب کے لیے قارئین کی طرف سے آنے والے پیغامات پڑھ کر سناتی۔

دنیا کے کونے کونے سے لوگوں نے اس کتاب کو پڑھا تھا اور ان کی محبت، درد اور بچھڑنے کے اس کربناک انجام پر آنسو بہائے تھے۔ لیکن حرا کے لیے یہ صرف ایک کتاب یا ایک ناول نہیں تھا... یہ اس کی زندگی کا وہ زخم تھا جو کبھی نہیں بھر سکتا تھا۔

ایک شام، جب سورج پہاڑیوں کے پیچھے ڈوب رہا تھا اور فضا میں زرد اور ارغوانی شفق کے رنگ گھل رہے تھے، ایک نو عمر لڑکی ہاتھ میں وہی کتاب لیے عنایہ کی قبر کے پاس آ کر کھڑی ہوئی۔

اس کی آنکھوں میں نیمی تھی اور چہرے پر ایک عجیب سی حیرت اور عقیدت کا تاثر تھا۔

حرا نے جو قریب ہی بیٹھی تھی، اس لڑکی کی طرف دیکھا۔

کیا تم نے یہ کتاب پڑھی ہے؟" حرا نے نرمی سے پوچھا۔"

لڑکی نے چونک کر حرا کی طرف دیکھا اور آہستہ سے سر ہلا دیا۔

جی..." لڑکی کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔ "میں نے اسے کل رات ختم کیا۔ میں پورا" دن سو نہیں سکی۔ مجھے لگا کہ مجھے اس جگہ آنا چاہیے... یہ دیکھنے کے لیے کہ کیا واقعی "ایسی محبت اس دنیا میں وجود رکھتی ہے؟

حرا کے ہونٹوں پر ایک ملال بھری مسکراہٹ ابھری۔ اس نے عنایہ کی قبر پر لگی مرمر کی لوح کو چھوا۔

لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کہانی صرف ایک ناول کا حصہ ہے،" حرا نے دھیمے سے کہا۔"
لیکن عنایہ اور زہریان نے اپنی سانسیں دے کر اس بات کو سچ ثابت کیا تھا کہ جب"
"کوئی کسی کو روح سے چاہتا ہے، تو جسم کا ختم ہو جانا ان کے رشتے کو مٹا نہیں سکتا۔

لڑکی نے جُھک کر عنایہ اور زہریان کی قبر پر پھول رکھے۔

مجھے ان دونوں کے لیے بہت دکھ ہوتا ہے،" لڑکی نے سسکی بھرتے ہوئے کہا۔"
"!کاش... کاش ان کا انجام ایسا نہ ہوتا۔ کاش وہ جی جاتے"

حرا نے آسمان کی طرف دیکھا، جہاں پہلا ستارہ چمکنے لگا تھا۔

جینا تو ہر کوئی چاہتا ہے..." حرا کی آواز میں گہری بصیرت تھی، "لیکن کچھ داستانیں"
ایسی ہوتی ہیں جہاں مکمل ہونا صرف جینے سے حاصل نہیں ہوتا۔ ان کا ساتھ اس دنیا
کی تلخیوں اور سازشوں کے لیے نہیں بنا تھا۔ وہ جہاں بھی ہیں... اب اکٹھے ہیں، ہمیشہ
"کے لیے محفوظ اور پرسکون۔

رات کا اندھیرا آہستہ آہستہ قبرستان کو اپنی آغوش میں لے رہا تھا۔ حرا اور وہ لڑکی
خاموشی سے وہاں سے باہر نکل آئیں۔

قبرستان کے دروازے پر پہنچ کر حرا نے ایک بار مڑ کر پیچھے دیکھا۔

چاندنی کی زرد روشنی ان دونوں قبروں پر اس طرح بکھری ہوئی تھی جیسے آسمان خود
ان کی محبت پر روشنی کا نذرانہ پیش کر رہا ہو۔ ہوا میں سائیں سائیں کی ایک ایسی دھن
...تھی جو دردناک بھی تھی اور پرسکون بھی

عنایہ اور زہریان کی کہانی نے دنیا کو یہ سکھا دیا تھا کہ حقیقی عشق وقت، حالات اور موت کی حدود سے ماورا ہوتا ہے۔ جب تک یہ دنیا قائم رہے گی اور جب تک لوگ وفاداری اور قربانی کا نام لیں گے، "متاعِ جان" کا یہ آخری راز سنہری حروف سے دلوں پر نقش رہے گا۔

حرا نے آخری بار ان دونوں کی مرقد پر نظر ڈالی اور ایک طویل، سرد آہ بھرتے ہوئے اپنے قدم باہر کی طرف بڑھا دیے۔ اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھا، جہاں ان دونوں کی یاد کا بوجھ اب ایک مستقل عبادت بن چکا تھا۔

ہوا کے ایک اخری جھونکے نے دونوں قبروں کے پھولوں کو لہرایا، جیسے وہ حرا کو الوداع کہہ رہے ہوں۔ زہریان اور عنایہ کی دنیاوی کہانی کا ہر باب، ہر دکھ، ہر تڑپ اور ہر آنسو اب اس مٹی کی آغوش میں ہمیشہ کے لیے آسودہ ہو چکا تھا۔ اس دنیاوی سفر کی تمام تلخیاں، سازشیں اور درد اب اپنے حتمی انجام کو پہنچ چکے تھے۔

بابِ سوم: نقشِ دوام

شہر کے معروف آرٹ گیلری کی در و دیوار پر زرد اور سیاہ رنگوں کا ایک عجیب سا امتزاج بکھرا ہوا تھا۔ اسلام آباد کی شام کا سورج جب کھڑکیوں کے شیشوں سے چھن کر اندر آتا تو نمائش میں رکھی تصاویر پر ایک پراسرار سی روشنی پھیل جاتی۔

یہ نمائش کسی عام مصور کی نہیں تھی، بلکہ یہ ان تصاویر کی ایک خاص سیریز تھی جو عنایہ کی چھوڑی ہوئی پرانی سکیچ بکس اور زہریان کے کیمرے سے حاصل کی گئی ان نایاب تصاویر پر مبنی تھی، جنہیں حرا نے پچھلے چند سالوں میں بڑی محنت سے محفوظ کیا تھا۔

گالری کی مرکزی دیوار پر ایک بہت بڑی، بلیک اینڈ وائٹ تصویر آویزاں تھی۔ اس میں مارگلہ کی پہاڑیوں کے پس منظر میں ایک لڑکی کھڑی تھی جس کے بال ہوا میں اڑ رہے تھے، اور اس کے سائے کے بالکل قریب ایک قدآور شخص کی پرچھائی تھی—یہ عنایہ کی وہ آخری تصویر تھی جو زہریان نے اپنی لائف کا آخری شاٹ لینے سے چند دن پہلے اتاری تھی۔

"تصویر کے نیچے سونے کے حروف میں لکھا تھا:**"دو وجود... ایک ہی سایا**

گالری میں لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ ہر شخص خاموشی اور احترام کے ساتھ ان تصاویر کو دیکھ رہا تھا۔ ان تصویروں میں دکھ نہیں تھا، بلکہ ایک عجیب سا ثبات اور ابدیت تھی—ایک ایسا احساس جو دیکھنے والے کو اندر تک خاموش کر دیتا تھا۔

حرا گالری کے ایک کونے میں کھڑی ان تمام چہروں کو دیکھ رہی تھی جو ان کی تصویروں کے سحر میں جکڑے ہوئے تھے۔

اسی اثناء میں، ایک ادھیڑ عمر شخص، جس کی آنکھوں پر باریک فریم کا چشمہ تھا اور ہاتھ میں ڈائری تھی، حرا کے قریب آیا۔ وہ شہر کا ایک معروف ادبی نقاد تھا۔

مس حرا..." اس شخص نے گہری آواز میں بات شروع کی، "میں نے دنیا بھر کی" المیہ داستانیں پڑھی ہیں، لیکن اس جوڑے کی کہانی میں جو بات مجھے سب سے زیادہ متاثر کرتی ہے، وہ ان کی شکست نہیں... بلکہ ان کی وہ انا اور خودداری ہے جو انہوں "نے موت کے سامنے بھی نہیں جھکنے دی۔

حرا نے ایک مدہم سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔

آپ نے بالکل صحیح سمجھا،" حرا نے کہا، اس کی آواز میں ایک فخر اور گہرا اطمینان" تھا۔ "دنیا کو لگتا ہے کہ شاہمیر نے انہیں تباہ کر دیا، یا اس زہر نے عنایہ کی جان لے لی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ زہریان اور عنایہ نے اپنی مرضی سے اپنی موت کا انتخاب کیا۔ "انہوں نے دشمن کو یہ موقع ہی نہیں دیا کہ وہ ان کی محبت کو رسوا کر سکے۔

اور وہ ڈائری؟" اس نقاد نے پوچھا۔ "وہ گمنام ڈائری جو اس سارے عذاب کا آغاز" "تھی؟

حرا نے ایک گہری سانس لی۔ "وہ ڈائری محض ایک ذریعہ تھی... ایک ایسا آئینہ جس نے زہریان کو اس کے ماضی سے کاٹا اور عنایہ کو اس کے سب سے بڑے امتحان کے سامنے لا کھڑا کیا۔ وہ ڈائری اب راکھ ہو چکی ہے، لیکن اس کا سبق ہمیشہ باقی رہے گا—کہ سچ اور محبت کو کسی سازش کے ذریعے قید نہیں کیا جا سکتا۔"

رات گئے جب نمائش ختم ہوئی اور گالری کا عملہ سامان سمیٹنے لگا، حرا اکیلی اس مرکزی تصویر کے سامنے کھڑی رہی۔

اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور تصویر کے کونے پر بنے زہریان اور عنایہ کے سائے کو ہلکے سے چھوا۔

"تم دونوں نے مجھے جو کام سونپا تھا..." حرا نے سرگوشی کی، اس کی آنکھ میں ایک چمکتا ہوا آنسو ابھرا، "...وہ آج مکمل ہو گیا۔ تم دونوں اب صرف ایک یاد نہیں ہو، تم ایک مثال بن چکے ہو۔"

باہر اسلام آباد کی سڑکوں پر ایک بار پھر ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔ وہی بارش جو دو سال پہلے عنایہ کے گھر کی کھڑکی پر ضربیں لگا رہی تھی، آج پھر خاموشی سے برس رہی تھی۔ لیکن آج اس بارش میں خوف نہیں تھا، کوئی پراسرار دستک نہیں تھی اور نہ ہی کسی آنے والے عذاب کا ڈر تھا۔

آج کی بارش میں صرف ایک سکون تھا... ایک ایسا پرسکون نغمہ جو دو ایسی روحوں کا تھا جو زمین کے تمام دکھوں سے آزاد ہو کر آسمانوں کے وسعتوں میں ہمیشہ کے لیے ایک ہو چکی تھیں۔

عنایہ اور زہریان کا قصہ اب وقت کے اوراق پر ایک ایسا نقش بن چکا تھا جسے آنے والی کوئی بھی سرد ہوا مٹا نہیں سکتی تھی——یہ ان کی محبت کی آخری اور ابدی فتح تھی۔

دن ہفتوں میں اور ہفتے مہینوں میں ڈھلتے گئے۔ حرا نے زہریان اور عنایہ کے تمام بچے کچھے اثاثے اور ان کی یادگاروں کو ایک ٹرسٹ کی شکل دے دی، جس کا مقصد ان بے سہارا لڑکیوں اور صحافیوں کی مدد کرنا تھا جو حق اور سچ کی راہ میں ہر قسم کے خطرات کا مقابلہ کرتے تھے۔

حرا کی اب یہی کل کائنات تھی۔ اس نے اپنی ذات کو مکمل طور پر اس مشن کے لیے وقف کر دیا تھا تاکہ زہریان کا نام اور عنایہ کا خواب کبھی دھندلا نہ پڑے۔

،ایک خوبصورت، روشن صبح جب اسلام آباد پر ہلکی سی دھند کی چادر پھیلی ہوئی تھی حرا اپنے آفس میں بیٹھی کچھ اہم دستاویزات کا معائنہ کر رہی تھی۔

اچانک اس کے ڈیسک پر موجود پرانا فون بج اٹھا۔ یہ وہ لینڈ لائن نمبر تھا جو عنایہ اپنے صحافتی کاموں کے لیے استعمال کیا کرتی تھی۔

"حرا نے چونک کر ریسیو اٹھایا۔ "ہیلو؟

دوسری طرف چند لمحوں کے لیے مکمل خاموشی رہی... صرف ہوا کی ایک دھیمی سی سرسراہٹ اور کاغذ کے پلٹنے کی آواز آئی۔

ہیلو... کون بول رہا ہے؟" حرا نے دل میں جاگتی ہوئی ایک عجیب سی بے چینی کے" ساتھ دوبارہ پوچھا۔

پھر فون کے اسپیکر سے ایک انتہائی باریک، مدہم اور پراسرار آواز ابھری—ایک ایسی آواز جس نے حرا کے وجود کی آخری حدوں تک کو لرزا کر رکھ دیا۔

"...حرا"

وہ آواز کسی اجنبی کی نہیں تھی... وہ ایک مردانہ آواز تھی، جس میں بلا کی سرد مہری اور شناسا گہرائی تھی۔

کھیل کبھی ختم نہیں ہوتا، حرا... وہ ڈائری جو تم نے سمجھی کہ راکھ ہو چکی ہے، اس" کے چند صفحات ابھی بھی باقی ہیں۔ شاہمیر صرف ایک مہرہ تھا... اصل کھلاڑی تو ابھی "پردے کے پیچھے ہے۔

...کِک

لائن کٹ گئی۔

حرا کے ہاتھ سے فون کا ریسیور چھوٹ کر نیچے گر گیا۔ اس کے چہرے سے سارا رنگ اڑ گیا اور اس کا پورا جسم خوف کی ایک شدید لہر سے کانپنے لگا۔

اس کی نظریں ڈیسک پر رکھی زہریان اور عنایہ کی اس اخری تصویر پر جا ٹکیں۔

کیا داستان واقعی ختم ہو چکی تھی؟ یا یہ سچائی محض ایک دھوکا تھی اور زہریان اور عنایہ کو جس آگ میں دھکیلا گیا تھا، اس کے شعلے اب حرا اور ان سے جڑے باقی تمام لوگوں کو نگلنے کے لیے تیار ہو رہے تھے؟

،مارگلہ کی پہاڑیوں پر ایک بار پھر سیاہ بادل منڈلانے لگے تھے، اور ہوائیں ایک اور نئے ...ہولناک اور پراسرار طوفان کا پتہ دے رہی تھیں

حرا کا سانس حلق میں اٹک کر رہ گیا۔ فون ریسیور ڈیسک پر الٹا پڑا تھا اور اس میں سے آنے والی سست بیپ کی آواز کمرے کی سنسنان خاموشی میں یوں گونج رہی تھی جیسے کسی زہر آلود کاٹنے والے کی سائیں سائیں ہو۔ اس کا رنگ ہلدی کی طرح زرد ہو چکا تھا اور ماتھے پر پسینے کی باریک بوندیں چمکنے لگی تھیں۔

نہیں... یہ ممکن نہیں ہے..." حرا نے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے سرگوشی کی۔"
شاہمیر مر چکا ہے... میں نے خود پولیس رپورٹس دیکھی ہیں... زہریان نے اپنی"
"آنکھوں کے سامنے شاہمیر کو ختم ہوتے دیکھا تھا... پھر یہ کون ہے؟

اس نے کانپتے ہاتھوں سے ریسیور کو دوبارہ اٹھایا اور کال ہسٹری چیک کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ایک نامعلوم اینکرپٹڈ نمبر (encrypted number) تھا جس کی لوکیشن کو ٹریس کرنا ناممکن تھا۔

حرا کا دل اتنی تیز رفتار سے دھڑک رہا تھا جیسے سینے کی پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ اس نے فوراً ڈیسک کی دراز سے زہریان کا وہ پرانا لیپ ٹاپ نکالا جسے اس نے ایک یادگار کے طور پر محفوظ کر رکھا تھا۔ اس لیپ ٹاپ میں زہریان کی تمام پرانی انویسٹی گیٹیو فائلز، کیس نوٹس اور خفیہ آڈیوز موجود تھیں۔

اس نے ڈائریکٹری کھول کر 'Shahmeer Network' کی فائل پر کلک کیا۔ اس فائل میں شاہمیر کے پورے کرائم سنڈیکیٹ کا خاکہ بنا ہوا تھا۔

حرا کی انگلیاں کی بورڈ پر تیزی سے چلنے لگی۔ اس نے زہریان کی آخری دنوں کی ڈائری اینٹریز اور خفیہ نوٹس کو اسکین کرنا شروع کیا۔

اچانک اس کی نظریں زہریان کی لکھی ہوئی ایک انتہائی پرانی اور پاسورڈ سے پروٹیکٹڈ فائل پر جا کر ٹک گئیں، جس کا عنوان تھا: "The Black Ledger: Beyond Shahmeer"

حرا نے کانپتے ہاتھوں سے عنایہ کی سالگرہ کی تاریخ بطور پاسورڈ درج کی۔ فائل ایک جھٹکے سے کھل گئی۔

اسکرین پر جو دستاویز سامنے آئی، اسے پڑھ کر حرا کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

زہریان نے دو سال پہلے ہی اپنی ڈائری میں لکھا تھا:

اگر یہ فائل کوئی اور پڑھ رہا ہے، تو اس کا مطلب ہے کہ میں اپنے مقصد میں ناکام ہو چکا ہوں۔ شاہمیر صرف اس نیٹ ورک کا ایک چہرہ ہے، ایک ایسا مہرہ جسے دنیا کے سامنے ڈھال بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ اس پورے بلیک مارکیٹ، زہر کی لیبارٹریز اور بلیک میلنگ نیٹ ورک کے پیچھے اصل ماسٹر مائنڈ کوئی اور ہے... ایک ایسا شخص جو اقتدار کی اعلیٰ راہداریوں میں بیٹھتا ہے اور جس کا نام 'دی بلائنڈ سپاٹ' (The Blind Spot) ہے۔
شاہمیر کے پاس جو زہر تھا، وہ اسی لیب سے فراہم کیا گیا تھا۔ اگر شاہمیر ختم بھی ہو جائے، تو بھی دی بلائنڈ سپاٹ تب تک سکون سے نہیں بیٹھے گا جب تک وہ اس کیس سے جڑے ہر ایک گواہ اور ہر اس انسان کو مٹا نہ

دے جو سچ تک پہنچ سکتا ہے۔ عنایہ صرف شروعات تھی... اگلا نشانہ کوئی بھی ہو سکتا ہے۔

حرا نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک خوفناک سچائی بے نقاب ہو چکی تھی۔

...زہریان اور عنایہ کو جس کھیل کا شکار بنایا گیا تھا، وہ صرف ایک ذاتی دشمنی نہیں تھی وہ ایک بہت بڑے بین الاقوامی کرائم اور بلیک میلنگ رکیٹ کا حصہ تھا! اور وہ پراسرار ڈائریز جو عنایہ اور زہریان کو ملتی رہی تھیں، وہ دراصل اسی 'دی بلائنڈ سپاٹ' کا طریقہ کار تھا جس کے ذریعے وہ اپنے شکاروں کو ذہنی اذیت دے کر خودکشی یا تباہی کے دہانے پر پہنچاتا تھا۔

اسی وقت، آفس کی کھڑکی پر ایک شدید ضرب پڑی۔

!چھن

شیشہ چور چور ہو کر اندر قالین پر بکھر گیا۔ حرا بدحواسی میں چیخ کر پیچھے ہٹی اور دیوار کے ساتھ لگ گئی۔

ٹوٹے ہوئے شیشوں کے ساتھ ساتھ باہر سے ایک سیاہ رنگ کا لفافہ اندر آ کر گر چکا تھا۔ بالکل ویسا ہی سیاہ لفافہ جیسا دو سال پہلے عنایہ کے گھر کے پورچ میں ملا تھا!

حرا کا سانس رک گیا۔ اس کا جسم برف کی طرح ٹھنڈا پڑ گیا۔ وہ چند سیکنڈز تک بے حس و حرکت کھڑی رہی، پھر اس نے ہمت مجتمع کر کے قدم آگے بڑھائے اور زمین پر پڑے اس لفافے کو اٹھایا۔

"لفافے پر خون کی طرح سرخ سیاہی سے اس کا اپنا نام لکھا ہوا تھا: **"حرا شاہ**

اس نے کانپتے ہاتھوں سے لفافہ چاک کیا۔ اندر ایک پرانی، جلی ہوئی فوٹو کاپی تھی—وہ عنایہ کی اس پرانی گمنام ڈائری کا ایک ایسا صفحہ تھا جو شاید دو سال پہلے جلنے سے بچ گیا تھا یا اس کی اصل کاپی کسی کے پاس محفوظ تھی۔

:صفحے پر تازہ سیاہی سے تحریر کیا گیا تھا

،حرا... تم نے سوچا کہ تم زہریان اور عنایہ کی کہانی پر کتاب لکھ کر نمائشیں لگا کر اور ٹرسٹ بنا کر اس داستان کو پرسکون اختتام دے دو گی؟ تم نے بھول کی حرا۔ زہریان نے جو راز مجھ سے چھپایا تھا، وہ فائل اب تمہارے پاس ہے۔ اگر تم نے چوبیس گھنٹوں کے اندر وہ فائل اور زہریان کے تمام خفیہ ہارڈ ڈرائیوز اسلام آباد کے پرانے ریلوے اسٹیشن کے ویران گودام میں نہ پہنچائے... تو تمہارا انجام عنایہ کی اس دردناک بیماری سے بھی ،زیادہ بھیانک ہوگا۔ یاد رکھو... ڈائری کا آخری صفحہ ابھی لکھا جانا باقی ہے اور اس بار سیاہی تمہارے اپنے خون کی ہوگی۔

حرا نے کاغذ کو اپنے سینے سے لگایا اور گھٹنوں کے بل قالین پر گر پڑی۔ اس کی آنکھوں سے ضبط کیے ہوئے تمام آنسو ایک طوفان بن کر بہہ نکلے۔

وہ تنہا تھی۔ زہریان اور عنایہ اب اس دنیا میں نہیں تھے جو اس کی حفاظت کرتے یا .اسے مشورہ دیتے. وہ اس خوفناک، اندھیرے کھیل میں بالکل اکیلی کھڑی تھی

زہریان... عنایہ..." حرا نے سسکیوں کے درمیان آسمان کی طرف دیکھ کر پکارا۔"
"میں کیا کروں؟ میں اس درندے کا مقابلہ کیسے کروں؟"

رات کے بارہ بج رہے تھے۔ طوفانی بارش اور مارگلہ کی پہاڑیوں سے اترتی برفانی ہوائیں اسلام آباد شہر کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے تھیں۔

حرا اپنے اپارٹمنٹ کے اسٹڈی روم میں بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے ڈیسک پر زہریان کا لیپ ٹاپ، تمام خفیہ ہارڈ ڈرائیوز، اور ایک لوڈڈ پسٹل رکھی تھی جو اس نے زہریان کے پرانے ڈاکیومنٹس کے ساتھ سیف سے نکالی تھی۔

اس کا چہرہ زرد تھا، مگر اس کی آنکھوں میں خوف کی جگہ اب ایک عجیب سا، جنونی عزم اور چمک ابھر آئی تھی۔

دو سال تک وہ اپنے دوستوں کی موت پر روتی رہی تھی، ان کا غم منایا تھا، لیکن آج اس کے اندر عنایہ کا وہ آخری تحریر کردہ خط جاگ اٹھا تھا: 'دنیا کو بتانا حرا... کہ ہم '!بزدل نہیں تھے

میں بھاگوں گی نہیں..." حرا نے پسٹل کو ہاتھ میں تھام کر اس کا میگزین چیک کرتے" ہوئے جمے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اگر اس کہانی کا آخری باب میری موت پر ہی ختم ہونا ہے، تو میں بھی خاموشی سے نہیں مروں گی۔ میں زہریان اور عنایہ کی قربانی کو "!ضائع نہیں ہونے دوں گی

اس نے لیپ ٹاپ سے وہ تمام بلیک میلنگ اور کرائم فائلز ایک انکرپٹڈ فلش ڈرائیو میں کاپی کیں اور اس کی ایک کاپی اسلام آباد کی سب سے اعلیٰ انویسٹی گیٹیو ایجنسی کے

چیف کو ای میل کر کے 'ٹائم ڈیلیور (Time-delayed send)' پر لگا دی—اگر
چوبیس گھنٹوں کے اندر حرا نے خود اس ای میل کو کینسل نہ کیا، تو وہ تمام ثبوت خود
بخود پولیس، میڈیا اور حساس اداروں تک پہنچ جاتے!

اس کے بعد اس نے پسٹل اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں چھپائی، فلش ڈرائیو کو اپنے
گلے میں پہنے ہوئے لاکٹ کے اندر بند کیا، اور سیاہ رین کوٹ پہن کر اپارٹمنٹ سے
باہر نکل آئی۔

اسلام آباد کا پرانا، متروکہ ریلوے اسٹیشن رات کے وقت کسی بھوت بنگلے کا منظر پیش
کر رہا تھا۔ زنگ آلود ریلوے ٹریکس پر بارش کا پانی جمع تھا اور ہوا کی تیز سائیں سائیں
میں لوہے کی زنگ آلود چادریں چیخ رہی تھیں۔

حرا کے ننگے پاؤں یا جوتوں کی آہٹ بارش کے شور میں دب رہی تھی۔ اس نے ہاتھ
میں ایک پرانا ٹارچ تھام رکھا تھا جس کی مٹمیلی روشنی اندھیرے کو چیر رہی تھی۔

وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوئی گودام نمبر ۴ کے بڑے، زنگ آلود ہینڈل والے
دروازے تک پہنچی۔

دروازہ آدھا کھلا ہوا تھا اور اندر سے ایک عجیب سی سڑاند اور کیمیکلز کی بو آ رہی
تھی—بالکل وہی بو جو عنایہ نے دو سال پہلے ڈسٹلری میں محسوس کی تھی!

حرا نے دھڑکتے دل کے ساتھ قدم اندر رکھا۔

گودام کے اندر چاروں طرف لکڑی کے پرانے باکسز اور بوریوں کے ڈھیر لگے تھے۔ ہال کے وسط میں ایک زرد بلب لٹک رہا تھا جو ہوا کے جھونکوں سے مسلسل ہل رہا تھا، جس کی وجہ سے دیواروں پر خوفناک سائے ناچ رہے تھے۔

میں آ گئی ہوں!" حرا نے بلند اور سخت آواز میں پکارا۔ اس کی آواز گودام کے لوہے" کے بیمز سے ٹکرا کر گونجی۔ "سامنے آؤ! چہرے چھپا کر دھمکیاں دینے والے بزدل...
"!سامنے آؤ

ہال کے دوسرے کونے میں بنے لکڑی کے کیبن سے ہلکی سی آہٹ ابھری۔

،ایک لمبا شخص، جس نے سیاہ لانگ کوٹ اور چہرے پر ایک دھاتی ماسک پہن رکھا تھا ،آہستہ آہستہ تاریکی سے نکل کر روشنی کے دائرے میں آیا۔ اس کے پیچھے دو مسلح خوفناک جسامت والے گارڈز کھڑے تھے۔

!'دی بلائنڈ سپاٹ'

تم میں واقعی حوصلہ ہے حرا شاہ..." اس شخص کی آواز کسی سپیکر کے ذریعے" الیکٹرانکلی چینج کی گئی تھی، جو انتہائی بوجھل اور بھیانک لگ رہی تھی۔ "زہریان ملک نے بھی یہی غلطی کی تھی... اس نے سوچا تھا کہ وہ ہمت اور سچائی کے بل بوتے پر اس نظام کو بدل دے گا۔ لیکن اس کا انجام کیا ہوا؟ وہ اپنی معشوقہ کے ساتھ مٹی تلے
"!دفن ہو گیا

بکواس بند کرو!" حرا نے چیخ کر کہا اور اپنے کوٹ سے پسٹل نکال کر سیدھی اس کے" چہرے پر تان لی۔ "زہریان اور عنایہ تم جیسے درندوں سے جیتے تھے! تم نے ان کے جسموں کو ختم کیا، مگر ان کا نام اور سچائی آج بھی زندہ ہے!"

دی بلائنڈ سپاٹ نے ایک سرد، بے رحم قہقہہ لگایا۔

"سچائی؟" اس نے اپنے گارڈ کو اشارہ کیا۔ "کیا تم اس سچائی کی بات کر رہی ہو؟"

گارڈ نے کیبن کے اندر سے ایک وہیل چیئر باہر دھکیلی۔

وہیل چیئر پر ایک شخص بندھا ہوا تھا، جس کے منہ پر پٹی بندھی تھی اور وہ شدید زخمی حالت میں تھا۔ روشنی جب اس کے چہرے پر پڑی، تو حرا کے ہاتھ سے پسٹل چھوٹتے چھوٹتے بچی۔

وہ شخص کوئی اور نہیں... بلکہ حرا کا اپنا چھوٹا بھائی، اسد تھا!

اسد!" حرا کے حلق سے ایک دلدوز چیخ نکلی۔"

تمہیں کیا لگا حرا؟" دی بلائنڈ سپاٹ نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے زہریلا طنز" کیا۔ "کہ تم اکیلی آؤ گی اور زہریان ملک کی طرح ہیرو بن جاؤ گی؟ میں نے تمہاری ہر چال پر نظر رکھی ہوئی تھی۔ اب خاموشی سے وہ فلش ڈرائیو اور زہریان کا لیپ ٹاپ میرے حوالے کر دو... ورنہ تمہارے سامنے تمہارے اس بھائی کے جسم کا ایک ایک عضو کاٹ کر پھینک دیا جائے گا!"

حرا کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔ اس کی تمام تر ہمت، اس کا تمام عزم ،ایک سیکنڈ میں تاش کے پتوں کی طرح بکھر گیا۔ اس کا بھائی... اس کی اکلوتی فیملی اب اس درندے کے چنگل میں تھی۔

اس نے کانپتے ہاتھوں سے اپنے گلے کا لاکٹ کھولا جس میں وہ فلش ڈرائیو موجود تھی۔

چھوڑ دو اسے..." حرا کی آواز میں اب التجا اور شدید درد تھا، اس کے آنسو گالوں پر" بہہ نکلے۔ "یہ لو... یہ رہی فائل! اسے چھوڑ دو، اس کا اس سب سے کوئی تعلق نہیں "!ہے

دی بلائنڈ سپاٹ نے اپنے گارڈ کو اشارہ کیا۔ گارڈ نے حرا کے ہاتھ سے وہ لاکٹ جھپٹ لیا اور فلش ڈرائیو نکال کر دی بلائنڈ سپاٹ کے ہاتھ میں تھما دی۔

دی بلائنڈ سپاٹ نے اپنے جیبی ڈیوائس میں فلش ڈرائیو لگائی اور ڈیٹا ویریفائی کرنے لگا۔ اس کے چہرے کے ماسک کے پیچھے سے فتح مندانہ مسکراہٹ کی بدبودار سانسیں محسوس ہو رہی تھیں۔

شاباش حرا شاہ..." اس نے ڈیوائس بند کر کے جیب میں رکھی۔ "تم نے عقلمندی" "...دکھائی۔ لیکن

اس نے اپنے کوٹ کی جیب سے ایک چھوٹا سا ریموٹ کنٹرول نکالا۔

لیکن میں نے تمہیں بتایا تھا نا... کہ زہریان کا کوئی بھی نشان، کوئی بھی دوست اس" "دنیا میں زندہ نہیں رہے گا۔

دی بلائنڈ سپاٹ نے ریموٹ کا سرخ بٹن دبا دیا۔

بیپ... بیپ... بیپ...

گودام کے چاروں کونوں میں چھپائے گئے ٹائمر بموں کی آوازیں ایک ساتھ گونج اٹھیں۔ ٹائمر پر صرف **۳۰ سیکنڈز** کا وقت چل رہا تھا!

"تم ایک دھوکے باز ہو!" حرا چیخی اور اس نے بغیر سوچے سمجھے پسٹل کا ٹریگر دبا دیا۔

ٹھائیں! ٹھائیں!

گولی دی بلائنڈ سپاٹ کے شانے پر لگی۔ وہ درد سے کراہتا ہوا پیچھے ہٹا۔ اس کے گارڈز نے فوراً حرا پر فائرنگ شروع کر دی۔

حرا نے زمین پر ڈائیو لگائی اور ایک لکڑی کے باکس کے پیچھے پناہ لی۔ گولیوں کی بوچھاڑ اور بم کی مسلسل بیپنگ کی آوازوں میں پورا گودام جہنم کا منظر پیش کر رہا تھا۔

"اسد!" حرا نے چیخ کر زمین پر رینگتے ہوئے اپنے بھائی کی طرف بڑھنے کی کوشش کی۔

بم کا ٹائمر اب صرف **۱۰ سیکنڈز** پر تھا!

۱۰... ۹... ۸...

دی بلائنڈ سپاٹ اپنے گارڈز کے ساتھ گودام کے عقبی راستے سے بھاگ چکا تھا، اور باہر سے بڑا لوہے کا دروازہ لاک کر دیا تھا۔

حرا نے بدحواسی میں اپنے بھائی کی کرسی تک پہنچ کر اس کی رسیاں کھولنے کی کوشش کی۔ اس کے ہاتھ خون سے لت پت ہو چکے تھے اور ناخن ٹوٹ رہے تھے۔

حرا... بھاگ جاؤ..." اسد نے منہ کی پٹی کھلتے ہی ہانپتے ہوئے التجا کی۔ "تم بچ جاؤ"
"!حرا... یہاں سے نکل جاؤ

نہیں اسد! میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی!" حرا زار و قطار رو رہی تھی۔"

...۳ ...۴ ...۵

حرا نے آخری سیکنڈ میں اپنے بھائی کو گلے سے لگا لیا اور اپنے دونوں ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

...اس کے ذہن میں آخری لمحے زہریان اور عنایہ کی تصویر چمکی

عنایہ... زہریان... میں آ رہی ہوں... میں نے سچائی کے لیے اپنی آخری
...سانس تک لڑائی کی

...۲ ...۱

!دھاااااام

ایک ہولناک، فلک شگاف دھماکے نے پورے ریلوے اسٹیشن کو ہلا کر رکھ دیا۔
آتشفشاں جیسے شعلے گودام کی چھت اور دیواروں کو چیرتے ہوئے آسمان کی طرف بلند ہوئے۔ گودام لمحوں میں راکھ اور ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو گیا۔

آگ کے شعلے اور بارش کا پانی ایک دوسرے میں مل کر دھواں پیدا کر رہے تھے۔

دھماکے کے چند منٹ بعد... ملبے سے کچھ فاصلے پر، سیاہ کوٹ میں ملبوس شدید زخمی دی بلائنڈ سپاٹ لنگڑاتا ہوا اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے شانے سے خون بہہ رہا تھا، مگر اس کے ہاتھ میں وہ فلش ڈرائیو اب بھی محفوظ تھی۔

احمق لوگ..." اس نے اپنے ماسک کو اتار کر نیچے پھینکا، اس کا چہرہ انتہائی بھیانک اور" "!زہریلا تھا۔ "سچائی کبھی نہیں جیتی... صرف طاقت جیتی ہے

...اس نے گاڑی کا دروازہ کھولا

مگر جیسے ہی اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر قدم رکھا، گاڑی کی پچھلی نشست کے اندھیرے نکل کر سیدھی (pistol barrel) سے ایک انتہائی ٹھنڈی، سخت اور برفانی دھاتی نالی اس کی کنپٹی پر آ کر ٹک گئی۔

دی بلائنڈ سپاٹ کا خون جم گیا۔ اس کی سانسیں وہیں اٹک گئیں۔

—پچھلی سیٹ کے اندھیرے سے ایک نہایت گہری، بھاری اور شناسا مردانہ آواز ابھری ...ایک ایسی آواز جو دو سال پہلے اس دنیا سے ختم ہو چکی تھی

"تم نے سوچا تھا کہ تم نے زہریان ملک کو مار دیا تھا؟"

"دی بلائنڈ سپاٹ کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹ گئیں۔ "تم... تم...؟؟؟

میں نے دو سال پہلے اپنی موت کا ڈرامہ صرف اس لیے رچایا تھا... تاکہ تم جیسے" سانپ اپنے بلوں سے باہر نکل سکیں،" اس پراسرار شخص نے اندھیرے سے اپنا چہرہ تھوڑا سا آگے کیا۔

روشنی کی ایک باریک پٹی اس کے چہرے پر پڑی—اس کے چہرے پر پرانے زخموں کے نشان تھے، مگر اس کی گہری، سیاہ آنکھوں میں وہی پرانی، جنونی اور خونخوار چمک تھی!

وہ زہریان ہی تھا!

وہ زہریان جو دو سال سے ایک سائے کی طرح زندہ تھا، اپنے وجود کو مٹا کر، اس آخری لمحے کے لیے شاہمیر اور دی بلائنڈ سپاٹ کے پورے نیٹ ورک کے خاتمے کا جال بن رہا تھا!

"عنایہ کی قربانی... اور حرا کے اس جذبے کی قیمت..." زہریان کے لفظوں میں اتنی درندگی تھی کہ گاڑی کا شیشہ دھندلا گیا۔ "تم اپنی روح دے کر بھی نہیں چکا سکتے!"

ٹھائیں!

گاڑی کے اندر گولی کی ایک خاموش اور حتمی آواز گونجی۔ دی بلائنڈ سپاٹ کا سر سٹیرنگ ویل پر جا گرا۔ اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، اور اس کے بے جان ہاتھ سے وہ فلش ڈرائیو گر کر گاڑی کے فرش پر چور چور ہو گئی۔

زہریان گاڑی سے باہر نکلا۔ بارش کا پانی اس کے چہرے پر لگے خون اور آنسوؤں کو دھو رہا تھا۔

اس نے مڑ کر اس جلتے ہوئے گودام کے ملبے کی طرف دیکھا جہاں حرا اور اس کا بھائی شعلوں کی نذر ہو چکے تھے۔ اس کا دل اندر سے ہزار ٹکڑے ہو چکا تھا۔ اس کے تمام

اپنوں، اس کی عنایہ، اس کی دوست حرا... سب کو اس سچائی کی قیمت اپنی جان دے کر چکانی پڑی تھی۔

زہریان نے اپنے کوٹ کی جیب سے عنایہ کا وہ چھوٹا سا سرخ گلاب نکالا جو اس نے دو سال سے اپنے پاس محفوظ رکھا تھا—وہ خشک ہو چکا تھا، مگر اس کی مہک زہریان کی روح میں بسی ہوئی تھی۔

اس نے اس گلاب کو چوما اور اسے جلتے ہوئے ملبے کی طرف پھینک دیا۔

کھیل ختم ہو گیا عنایہ..." زہریان نے بارش میں آسمان کی طرف منہ کر کے انتہائی" دردناک اور سسکیوں سے بھری آواز میں کہا۔ "تمام دشمن ختم ہو گئے... تمام راز "دفن ہو گئے۔ اب... اب میری باری ہے تمہارے پاس آنے کی۔

اس نے اپنی وہی پرانی پسٹل اٹھائی، اس کی نالی اپنے سینے کے بالکل اس مقام پر رکھی جہاں اس کا دل دھڑک رہا تھا—وہ دل جو عنایہ کے بغیر صرف ایک بوجھ تھا۔

"...میں آ رہا ہوں عنایہ"

!ٹھائیں

ایک آخری گولی کی آواز نے مارگلہ کی خاموش پہاڑیوں اور طوفانی بارش کو چیر کر رکھ دیا۔

زہریان کا وجود پرسکون انداز میں زمین پر گرا، اس کا خون بارش کے پانی میں مل کر عنایہ کی یادوں کی طرح بہنے لگا۔ اس کے چہرے پر دو سال بعد ایک سچی، ابدی اور پرسکون مسکراہٹ ابھری تھی۔

صبح کا سورج جب مارگلہ پر طلوع ہوا، تو طوفان تھم چکا تھا۔ شہر پر ایک عمیق خاموشی تھی... وہ تمام کردار جو اس المیہ داستان کا حصہ تھے، اب اس دنیا سے جا چکے تھے۔ لیکن ان کا سچ، ان کا عشق اور ان کا انتقام وقت کے صحرا پر ایک ایسا باب لکھ چکا تھا جسے کوئی مٹا نہیں سکتا تھا۔

(اختتام)

☆☆☆☆☆